جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلہ الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا



بانی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

شوال المکرم ۱۴۲۷ھ نومبر ۲۰۰۶ء فہرست



خط وکتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

فون: 048-6786002/6786899

E-mail-alhaqqania@yahoo.com

کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی پرنٹر: جناب محمد منیر صاحب فائز پرنٹنگ پریس بلاک 8 سرگودھا

کلمۃ الحق مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحفظ حقوق نسواں بل اور حکومت کی ذمہ داری

بعد الحمد والصلوٰۃ : دین اسلام کی تعلیمات انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہیں یہ ایک جامع کامل اور مکمل ضابطۂ حیات ہے ،اسلامی تعلیمات عقائد،عبادات ، معاملات ، معاشرت اور اخلاق پر مشتمل ہیں، پھر ان میں سے ہر شعبہ کی الگ مستقل تفصیلات ہیں اسلامی قوانین میں سے ایک شعبہ فوجداری قوانین کا بھی ہے، حدود شرعیہ ان کا ایک اہم حصہ ہیں''حدود قوانین شریعت میں ان کی اہمیت'' کے عنوان سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم یوں رقم طراز ہیں:

''حدود شرعیہ''ان سزاؤں کو کہا جاتا ہے جو چند جرائم کیلئے قرآن کریم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے مقرر کردی ہیں، اس معاملے میں اسلام کا قانون فوجداری بڑا لچکدار ہے کہ اس میں چند گنے چنے جرائم کے سوا کسی بھی دوسرے جرم کی کوئی سزا ہمیشہ کیلئے مقرر نہیں فرمائی گئی، بلکہ تقریباً تمام جرائم کی سزا کا تعین حاکم وقت، قاضی وقت یا آجکل کی اصطلاح میں مقننہ(Lagislaturo) یا عدلیہ(Judicialy) پر چھوڑ دیا گیا ہے، وہ حالات وواقعات کی مناسبت سے جو سزا چاہیں دے سکتے ہیں، جسے اصطلاح میں تعزیر کہا جاتا ہے، صرف چند جرائم ایسے ہیں جن کی سزا قرآن کریم یا سنت نے مقرر فرمادی ہے اور ان میں تبدیلی کا حق کسی کو نہیں دیا گیا، انہی سزاؤں کو''حدود'' کہا جاتا ہے، چوری ، ڈاکہ ، زنا، شراب نوشی اور تہمت زنا جو''حدود آرڈیننس'' کا اصل موضوع ہیں، انہی جرائم میں داخل ہیں۔ ان خاص جرائم ہی کو سزاؤں کے ابدی تعین کیلئے کیوں منتخب کیا گیا؟ اور انہیں بھی دوسرے جرائم کی طرح مقننہ یا عدلیہ کی صوابدید پر کیوں نہیں چھوڑا گیا ؟ اس سوال کے جواب میں بہت کچھ کہا جاسکتا ہے اور کہا گیا ہے، لیکن فی الحال وہ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

میں ذاتی طور پر اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہوں کہ وحی الٰہی کسی بات پر اسی وقت اصرار کرتی ہے جب عقل انسانی کے کسی معاملے میں ٹھوکر کھانے کا احتمال ہوتا ہے، لہٰذا اس معاملے کا تصفیہ عقل انسانی کے حوالے کرنے کے بجائے وحی الٰہی کی طرف سے اس کو دوٹوک فیصلہ کردیا جاتا ہے کہ کسی کی سمجھ میں آئے نہ آئے یہ فیصلہ ہر حالت میں واجب التعمیل ہے، ایسے معاملات میں بکثرت ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس فیصلے کی تعمیل کچھ غیر مرئی یا معنوی فوائد کی بھی حامل ہوتی ہے جن میں سبب اور مسبب (Cause and effect

) کا رشتہ قابل دریافت نہیں ہوتا ،شاید حدود کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے روایت فرمایا ہے کہ "اللہ کی زمین میں کسی ایک حد کا عملی نفاذ چالیس روز کی بارش سے زیادہ بہتر ہوتا ہے(سنن نسائی حدیث ۴۸۲۱، کتاب قطع السارق، و ابن ماجہ ۴۸۲۱)

اس لحاظ سے ایک اسلامی ملک میں حدود کے نفاذ کی اہمیت بالکل واضح ہے اور اس پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں، یہ بات درست ہے کہ جب ایک سراسر غیر اسلامی نظام قانون کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا ہو تو اس میں ترجیحات (Priorities) کے تعین میں آراء مختلف ہوسکتی ہیں، لیکن جہاں تک نفاذ حدود کا تعلق ہے اس کی اہمیت شک و شبہ سے بالاتر ہے، یہ بات بھی درست ہے کہ "حدود" اسلامی نظام قانون کا ایک حصہ ہے، اسلامی قانون اس میں منحصر نہیں ہے، نیز اسلام نے قانون کی جکڑ بندی کے علاوہ اصلاح معاشرہ کیلئے بھی بہت سے احکام دیئے ہیں، جن سے جرائم کی روک تھام میں بڑی مدد ملتی ہے، لہٰذا ایک اسلامی حکومت کا کام صرف نفاذ حدود نہیں ہے بلکہ ایک ایسا ماحول پیدا کرنا بھی اس کی ذمہ داری ہے جس کے نتیجے میں نفاذ حدود کی نوبت کم سے کم آئے لیکن یہ بھی اپنی جگہ درست کہ خود حدود اگر ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ نافذ کی جائیں تو وہ ایسا ماحول پیدا کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہیں اور ماحول کے مکمل پاکیزہ ہونے کے انتظار میں ان کے نفاذ کو غیر معین مدت تک معلق رکھنا بھی جائز نہیں (البلاغ ص۵، اکتوبر ۲۰۰۶ء)

حضرت مدظلہم کے اس گرانقدر مضمون سے جہاں حدود اللہ کی اہمیت اور ضرورت و افادیت واضح ہوئی وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک اسلامی ملک میں ان قوانین کا نفاذ کس قدر ناگزیر ہے مملکت اسلامیہ پاکستان جو خالصۃً اسلام کے نام پر معرض وجود میں آئی اور لاکھوں کروڑوں مسلمانوں نے اس کیلئے صرف اس لئے قربانی دی کہ اس دھرتی پر تمام قوانین اسلام کے مطابق ہوں گے اور پھر ایک طویل و مسلسل جدوجہد کے بعد آئین و قانون میں یہ بات طے ہوگئی کہ یہاں کوئی قانون قرآن وسنت کے مخالف نہیں بنایا جائے گا، جو قوانین پہلے سے خلاف اسلام چلے آرہے ہیں انہیں بھی بدل کر قرآن وسنت کے مطابق کردیا جائے گا۔ اس کیلئے حکومت نے باقاعدہ ایک ادارہ اسلامی نظریاتی کونسل کے نام سے قائم کیا جس میں قانون شریعت کے ماہرین علماء کرام تمام قوانین کا جائزہ لے کر خلاف اسلام قوانین کو تبدیل کرنے کی سفارش کرتے رہے، اس سلسلہ میں قانون کی حد تک اس کونسل نے بڑی پیش رفت کی اگرچہ اس کی اکثر سفارشات کو اب تک قانون کی شکل نہیں دی گئی تاہم اس مقصد کیلئے یہ ایک اہم ادارہ شمار ہوتا رہا۔

حدود و تعزیرات کے عنوان سے ملک میں جو قوانین رائج تھے چونکہ وہ بھی برطانیہ دور حکومت کے زمانہ

سے جاری تھے جن کو تبدیل کر کے قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنا ضروری تھا چنانچہ اس حوالہ سے صدارتی آرڈیننس کے ذریعہ سب سے پہلے ۱۹۷۹ء میں جنرل ضیاء الحق مرحوم نے پاکستان میں حدود اللہ کے نفاذ کا اعلان کیا اور برطانیہ دور کے رائج قوانین کو بدل کر انہیں اسلامی قوانین میں ڈھالا گیا۔ مرحوم ضیاء الحق نے جن حدود کے نفاذ کا اعلان کیا ان میں حد سرقہ، حد زنا، حد قذف، حد خمر (شراب) اور قصاص کے قوانین شامل ہیں۔

جہاں تک شرعی حیثیت سے ان قوانین کا تعلق ہے تو ہر شخص بحیثیت مسلمان ان کو دل وجان سے تسلیم کرتا ہے کسی کیلئے بھی "حدود اللہ" کے انکار کی گنجائش نہیں، لیکن ایک طبقہ جو بنیادی طور پر سیکولر ذہنیت کا حامل ہے وہ سرے سے ہی ان حدود کا مخالف ہے اور مختلف پروپیگنڈوں کے ذریعہ سادہ لوح مسلمانوں کے قلوب واذہان کو پریشان کر کے چاہتا ہے کہ وہ بھی ان حدود کی مخالفت میں ان کے ہمنوا ہو جائیں، افسوس کہ حکومت کا رویہ بھی کچھ اسی قسم کا ہے اب اس نے "تحفظ حقوق نسواں بل" کے نام سے جو مسودہ پیش کیا ہے یہ بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس بل کی وجہ سے ملک اور بیرون ملک مسلمانوں میں خاصی تشویش پائی جاتی ہے اور عام تأثر یہی ہے کہ حکومت شاید اس کی آڑ میں سرے سے حدود اللہ کے نفاذ کا سلسلہ ہی ختم کرنا چاہتی ہے، خدا کرے کہ ایسا نہ ہو لیکن حالات وواقعات سے اس قسم کے اندیشے بڑھتے جا رہے ہیں، تاہم یہ خوش آئند بات ہے کہ اس سلسلہ میں ایک کمیٹی حکومت نے تشکیل دے دی ہے جس نے اس بل کا جائزہ لے کر اس کی خامیوں کو دور کرنے کی سفارش کی ہے، اگر حکومت ان سفارشات کی روشنی میں اس بل پر نظر ثانی کرنے کے بعد اسے منظور کرتی ہے تو امید ہے کہ یہ مسئلہ حل ہو جائے گا، لہٰذا ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس کمیٹی کی سفارشات اور ہدایات کے مطابق عمل کرے اور ملک کو اس بحران اور خلفشار سے بچائے "حدود اللہ" جیسے اہم ترین معاملہ میں کسی بھی لیت ولعل سے کام نہ لے۔

باقی جہاں تک آرڈیننس ۱۹۷۹ء کے ذریعہ نافذ کردہ ان قوانین کے قرآن وسنت کے مطابق ہونے یا نہ ہونے کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ اگر اس میں کوئی ابہام ہے تو ارباب افتاء اور ماہرین قرآن وسنت پر مشتمل ایک بورڈ اس کیلئے تشکیل دیا جا سکتا ہے جو اس کا فیصلہ کرے، ہر شخص کی بات کا اس سلسلہ میں قطعاً اعتبار نہیں ہونا چاہئے۔ حد سرقہ کے حوالے سے خود احقر نے بھی گذشتہ سال ۲۰۰۵ء میں بعض تجاویز تحریر کی تھیں جسے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد نے شائع بھی کر دیا ہے۔

بہر حال اس سلسلہ میں مثبت اصلاحی اور سنجیدہ کوشش سے انکار نہیں کرنا چاہئے، لیکن جہاں تک اسلامی حدود کے نفاذ کا تعلق ہے اس بارہ میں دو رائے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان حقائق

کے سمجھنے اور حکومت کو بھی اس معاملہ میں پورے طور پر تعاون کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔ اگر موجودہ حکومت خواتین اسلام کے حقوق کے سلسلہ میں واقعۃً سنجیدہ ہے تو پھر اسے سارا زور حدود آرڈیننس کے بدلنے ہی میں نہیں صرف کرنا چاہیے بلکہ خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لیے ان تجاویز پر بھی عمل کرنا ضروری ہے جو کمیٹی نے حکومت کو پیش کی ہیں، قارئین الحقانیہ کے ملاحظہ کیلئے ماہنامہ البلاغ سے وہ تجاویز ذیل میں نقل کی جارہی ہیں:

(۱) بل کو تحفظ نسواں کا نام دیا گیا ہے ہمارے معاشرے میں خواتین کے ساتھ جو حقیقی زیادتیاں ہو رہی ہیں ان کے سدباب کیلئے قانون سازی نہایت مستحسن اور ضروری اقدام ہے لیکن اس مجوزہ بل میں حدود آرڈیننس کی دفعات میں ترمیم کے سوا خواتین کے حقوق کے تحفظ سے متعلق کوئی اہم بات موجود نہیں ہے اور حدود آرڈیننس میں جو ترمیمات تجویز کی گئی ہیں ان میں چند کے سوا کسی سے خواتین کے ساتھ زیادتیوں کے ازالے میں کوئی مدد نہیں ملتی بلکہ بعض سے ان کی مشکلات میں اضافہ ہوگا، لہذا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر بل کا مقصود خواتین کے حقوق کا تحفظ ہے تو اس میں ان حقیقی مظالم کا سدباب ضروری ہے جو ہمارے معاشرے میں واقعۃً خواتین کے ساتھ روا رکھے جارہے ہیں، مثلاً ہمارے معاشرے میں عملاً عورتوں کو حق وراثت سے بالکل محروم کردیا گیا ہے اس بارے میں قانون سازی کی ضرورت ہے کہ خواتین کے حق وراثت کو غصب کرنا قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے، نیز بہت سے علاقوں میں خواتین کو ان کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور کیا جاتا ہے اس عمل کو بھی قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے اسی طرح اکٹھی تین طلاقیں دے کر خواتین کیلئے جو مشکلات کھڑی کی جاتی ہیں اس کے سدباب کیلئے ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے، بہت سے شوہر اپنی بیویوں کو ان کے اعتقاد اور ضمیر کے خلاف گناہ کے کاموں پر مجبور کرتے ہیں اس کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے اسی طرح قرآن شریف کے ساتھ نکاح، عورتوں کو نکاح کے بہانے بیچنا، نیز وٹہ سٹہ اور بیواؤں کے نکاح کو معیوب سمجھنا، یہ ساری رسمیں خلاف شرع اور خواتین کے حقوق کی خلاف ورزی ہے، غرض اگر واقعۃً قانون کا مقصد خواتین کے حقوق کا تحفظ ہے تو ان کے ان جیسے حقیقی مسائل پر توجہ دے کر ان کو قانون کا حصہ بنانے کی ضرورت ہے۔

(۲) اگرچہ مجوزہ بل کے ذریعے حدود آرڈیننس میں بہت سی ترمیمات تجویز کی گئی ہیں لیکن ان ترمیمات میں بعض امور شریعت کے بھی خلاف ہیں اور خواتین کے ساتھ زیادتی پر بھی مشتمل ہیں مثلاً مجوزہ ترمیم کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زنا بالجبر کی صورت میں مرد پر حد کی کوئی سزا کسی بھی صورت میں عائد نہیں ہوسکتی اور حد کی سزا صرف اس صورت میں ہوگی جب باہمی رضامندی سے زنا ہو، قرآن وسنت کی رو سے زنا بالجبر اور زنا بالرضا میں فرق یہ ہے کہ زنا بالرضا میں اگر مرد اور عورت دونوں کے خلاف زنا کا جرم چار گواہوں یا اقرار سے

ثابت ہو جائے تو زنا کی حد دونوں پر جاری ہوگی البتہ زنا بالجبر کی صورت میں صرف مرد پر عائد ہوگی، یوں بھی زنا بالجبر زیادہ سنگین نوعیت کا جرم ہے اس لئے اگر زنا بالرضا پر حد جاری ہو رہی ہے تو زنا بالجبر پر تو بطریق اولی حد جاری ہونی چاہئے، جو شخص زبردستی کسی عورت سے زنا کرے اس کو حد کی سزا سے بالکل چھٹی دے دینا نہ صرف شریعت کے خلاف ہے بلکہ خواتین کے ساتھ واضح زیادتی ہے، حدود آرڈیننس میں "زنا بالجبر" کی سزا "زنا بالرضا" کے مقابلے میں اسی لئے زیادہ رکھی گئی ہے تعزیر میں بھی اور حد میں بھی، یعنی اگر مجرم غیر شادی شدہ ہو تو سو کوڑوں کی حد کے علاوہ عدالت اسے اپنی صوابدید پر کوئی اور تعزیری سزا بھی دے سکتی ہے جو سزائے موت تک ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہماری رائے میں جرم زنا (نفاذ حدود) آرڈیننس کی دفعہ ٦ کو ترمیمی بل میں جو حذف کرنے کی تجویز دی گئی ہے وہ شریعت کے بھی خلاف اور خواتین کے ساتھ زیادتی کا موجب ہوگی۔

(۳) زنا بالجبر کی سزا حدود آرڈیننس سے ختم کر کے تعزیرات پاکستان میں بطور تعزیر رکھ دی گئی ہے لیکن زنا بالرضا کی صورت میں اگر حد کی شرائط پوری نہ ہوں تو مجرم کو بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا ہے حالانکہ اس صورت میں اگر بدکاری کا ثبوت گواہوں وغیرہ سے ہو جائے تو اس پر تعزیری سزا جاری ہونا ضروری ہے، حدود آرڈیننس میں اس کو زنا موجب تعزیر (Zina Liable to Tazier) قرار دیا گیا ہے اس میں یہ ترمیم ممکن ہے کہ اس کو زنا کا نام دینے کی بجائے بدکاری یا سیہ کاری وغیرہ کا کوئی نام دیا جائے لیکن ایسے مجرموں کو کسی بھی سزا سے آزاد چھوڑنا عملاً زنا بالرضا کی قانونی اجازت کے مرادف ہوگا، کیونکہ حد کی شرائط تو شاذ و نادر ہی کسی مقدمے میں پوری ہوتی ہیں اور اس ترمیم سے ایسی صورت میں تعزیر کا راستہ بالکل بند ہو جائے گا۔

(۴) حدود آرڈیننس میں حد کے علاوہ بہت سے قابل تعزیر جرائم کو حدود آرڈیننس سے نکال کر تعزیرات پاکستان میں داخل کیا گیا ہے بظاہر یہ ایک بے ضرر تبدیلی معلوم ہوتی ہے لیکن ان جرائم کو حدود آرڈیننس میں شامل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جو قابل تعزیر جرائم قابل حد جرائم سے ملتے جلتے ہیں ایک ہی عدالت میں ان کا فیصلہ ہو اور عدالتی کارروائی میں پیچیدگی پیدا نہ ہو، مجوزہ ترمیم کے نتیجے میں عملاً یہ صورت حال ہوگی کہ مثلاً اگر کوئی مجرم زنا کے مقدمے میں بری ہو گیا لیکن کسی لڑکی کو اغوا کرنے کا وہ مجرم ہے تو زنا کا مقدمہ تو وفاقی شرعی عدالت میں چلے گا وہاں سے بری ہونے کے بعد وفاقی شرعی عدالت اسے اغوا کی سزا نہیں دے سکے گی بلکہ اس کیلئے دوسری عدالتوں میں نئے سرے سے مقدمہ دائر کرنا ہوگا جس سے مظلوم خواتین کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوگا۔

(۵) حدود آرڈیننس کی دفعہ ۳ میں کہا گیا ہے کہ اس آرڈیننس کو (Overriding effect)

حاصل ہوگا، یعنی اگر اس قانون اور دوسرے قوانین میں تعارض ہو تو حدود آرڈیننس دوسرے قوانین پر بالا ہوگا، مجوزہ بل میں حدود آرڈیننس کی یہ حیثیت ختم کر دی گئی ہے اس کی وجہ سے متعدد قانونی پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی ہیں جو خود خواتین کیلئے مشکلات پیدا کرسکتی ہیں مثلاً حدود کا قانون ہر اس نکاح کو معتبر مانتا ہے جو شریعت کے مطابق ہو لیکن مسلم عائلی قوانین آرڈیننس کے تحت چونکہ کوئی طلاق چیئر مین یونین کونسل کو نوٹس بھیجے بغیر قانوناً معتبر نہیں ہوتی اس لئے نوٹس کے بغیر کوئی عورت عدت کے بعد دوسرا نکاح کرلے تو عائلی قانون کے تحت وہ نکاح معتبر نہیں ہوتا، یہاں حدود آرڈیننس اور مسلم عائلی قانون میں تعارض ہے اگر حدود آرڈیننس کو (Ovrriding effect) نہ دیا جائے تو وہ عورت جس نے جائز شرعی نکاح کیا ہے محض ایک رسمی کارروائی نہ کرنے کی بنا پر زنا میں سزایاب ہوسکتی ہے۔

(۶) اس بل کے ساتھ جو بیان اغراض و وجوہ (Ovrriding effect) ملحق ہے اس میں بہت سی باتیں واقعہ کے خلاف ہیں اور اس میں یہ کہا گیا ہے کہ لعان میں فسخ نکاح کا حق اس فوجداری عدالت کو نہ ہونا چاہئے جو لعان کی کارروائی کررہی ہے بلکہ اس کیلئے تنسیخ نکاح کے قانون میں لعان کو وجہ تنسیخ بنا کر وہاں سے نکاح فسخ ہونا چاہئے، اس تجویز کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس عورت نے فوجداری عدالت میں لعان کی کارروائی مکمل کی اس کو نکاح فسخ کرانے کیلئے فیملی کورٹ میں نئے سرے سے کارروائی کرنی پڑے گی حالانکہ حدود آرڈیننس میں یہ کہا گیا تھا کہ پہلی عدالت ہی نکاح بھی فسخ کردے گی، اس میں عورت کو نئے سرے سے دھکے کھانے کی ضرورت نہیں تھی۔

یہ چند موٹے موٹے نکات ہیں جو مجوزہ بل کے جائزے کے نتیجے میں سامنے آئے ہیں ان کے علاوہ بھی مجوزہ بل میں بہت سے امور قابل اعتراض یا غور طلب ہیں لہٰذا ہم سب کی یہ حتمی رائے ہے کہ اس بل کو عجلت میں منظور کرنا بے شمار مسائل پیدا کرے گا اسے ابھی اسمبلی سے منظور نہیں کرانا چاہئے بلکہ غیر جذباتی انداز میں اس پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر اور تحقیق کے بعد پیش کیا جائے، اگر ہماری مذکورہ بالا معروضات منظور ہوں تو ہم بل کا دفعہ وار جائزہ لے کر اپنی مفصل رائے پیش کرنے کیلئے تیار ہیں۔

ہم بھی حکومت سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان تجاویز پر عمل کرے اور انہیں قانون کی شکل میں ڈھال کر خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لیے مؤثر اور اہم کردار ادا کرے۔ فقط

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

۲۵؍رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۝

عبادت اور استعانت کا مطلب

عبادت کا معنی ہے کسی کی انتہائی تعظیم ومحبت کی وجہ سے اس کے سامنے اپنی انتہائی عاجزی اور فرمانبرداری کا اظہار کرنا، اور استعانت کا معنی ہے کسی سے مدد مانگنا اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کا ترجمہ اب یہ ہوا کہ ''ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں''۔

ربط اور مفہوم

اس آیت سے قبل کی آیات پر غور کرنے سے اس کا تعلق پہلی آیات سے ظاہر ہے کیونکہ الحمد للّٰہ سے لے کر ملك یوم الدین تک اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ انسان ماضی، حال، مستقبل تینوں زمانوں میں خدا تعالیٰ کا محتاج ہے، حق تعالیٰ نے اس کو ماضی کے زمانہ میں نابود سے بود کیا یعنی عدم سے وجود دیا، اس کو پیدا فرمایا اور اس کو کائنات کی تمام اشیاء سے زیادہ بہترین شکل دی اور عقل وبصیرت سے نوازا اور زمانہ حال میں اس کی تربیت اور پرورش کا سلسلہ جاری رکھا، زمانہ مستقبل میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے کیونکہ روز جزا میں بھی سوائے خداوند عالم کے اس کا کوئی مددگار نہیں ہوسکتا۔

الغرض! انسان ان تینوں زمانوں میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے جس کی تفصیل الحمد للّٰہ سے لے کر ملك یوم الدین تک کردی گئی ہے، اس کی روشنی میں واضح ہے کہ انسان اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد یہی کہے گا کہ عبادت اور استعانت کا تعلق بھی اسی ذات سے ہونا چاہئے جو محتاج الیہ ہے، جس کا انسان ہر زمانہ اور ہر لمحہ محتاج ہے، اس کے سوا نہ کسی کی عبادت ہونی چاہئے اور نہ کسی سے مدد طلب کرنا چاہئے، یہ اس کی طبیعت اور عقل کا تقاضا ہوگا جس کا اظہار اس آیت میں کردیا گیا ہے۔

اس میں جہاں حمد وثناء کا پہلو ہے کہ عبادت واستعانت کے لائق وہی ہے دوسرا پہلو دعا اور درخواست کا بھی ہے کہ اے اللہ! ہماری مدد فرمایئے اور ایک حیثیت اور بھی ہے کہ اس میں انسان کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور حقیقی طور پر اس کے سوا کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا نہ سمجھے، کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے، رہا وسیلہ کا مسئلہ یعنی یہ کہ کسی نبی، ولی کو وسیلہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا تو وہ اس

کے منافی نہیں ہے، اس کی کئی قسمیں ہیں جس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر کریں گے۔

اس آیت میں یہ نہیں ذکر کیا گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے کس کام میں مدد مانگتے ہیں، جمہور مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کا ذکر نہ کرنے میں عموم کی طرف اشارہ ہے کہ ہم اپنے ہر دینی اور دنیاوی کام اور ہر مقصد میں صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہیں۔

عبادت میں عموم

معلوم ہونا چاہیے کہ عبادت صرف نماز، روزہ ہی کو نہیں کہتے ہیں بلکہ اس کی بہت سی قسمیں ہیں، حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''اربعین'' میں اس کی قسمیں لکھی ہیں جو یہ ہیں:

(۱) نماز (۲) زکوٰۃ (۳) روزہ (۴) حج (۵) تلاوت قرآن (۶) ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا (۷) حلال روزی کیلئے کوشش کرنا (۸) پڑوسی اور ساتھی کے حقوق ادا کرنا (۹) لوگوں کو نیک کام کا حکم کرنا اور برے کاموں سے روکنا (۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کرنا۔

لہٰذا عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نہ کسی کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کے برابر ہو، نہ کسی کا خوف اللہ تعالیٰ کے خوف کے برابر ہو، نہ کسی سے ایسی امید ہو جیسے اللہ تعالیٰ سے پر امید ہے اور نہ ہی کسی پر ایسا بھروسہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے اور نہ کسی کی اطاعت وخدمت کو اتنا ضروری سمجھے جتنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت وخدمت کو ضروری سمجھتا ہو، نہ اللہ تعالیٰ کی طرح کسی کی نذر ومنت مانے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرح کسی کے سامنے اپنی مکمل عاجزی اور تذلل کا اظہار کرے اور نہ وہ افعال کسی بھی مخلوق کیلئے ظاہر کرے جو انتہائی عاجزی اور تذلل کی علامت ہیں جیسے رکوع، سجدہ وغیرہ، اس سے آیت مذکورہ کی جامعیت واضح ہے، استعانت واستمداد کی مزید تفصیل سورت کے ختم پر دیگر اہم مضامین کے ضمن میں کی جائے گی، واللّٰہ الموفق والمعین۔

....

وفیات: ۳ رمضان المبارک کو جامعہ کے مدرس حافظ غلام عباس صاحب کے چچا زاد بھائی اور جامعہ کے سابق طالب علم حافظ محمد شہباز طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۲۲ رمضان المبارک کو مولوی محمد ذوالفقار فاضل جامعہ حقانیہ کی والدہ ماجدہ مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین الحقانیہ سے مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا کی درخواست ہے۔

درس حدیث

رحمۃ الفردوس ترجمہ بہجۃ النفوس

مؤلف: حضرت امام حافظ ابومحمد عبداللہ بن ابی جمرہ الازدی الاندلسی رحمہ اللہ
مترجم: شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ

صاحب واقعہ کو اپنا واقعہ خود بیان کرنا چاہیے

(۴۳) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص کو واقعہ پیش آیا ہو عالم کے سامنے وہ خود ہی اس کو بیان کرے دوسرا بیان نہ کرے کیونکہ حضرت خدیجہ نے ورقہ سے یوں کہا ذرا اپنے بھتیجے کی بات تو سنو! حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے واقعہ بیان فرما چکے تھے (ان کو سب کچھ معلوم تھا اگر بیان کرنا چاہتیں تو کر سکتی تھیں مگر) انہوں نے خود نہیں بیان کیا بلکہ (اس کام کو) صاحب واقعہ کے حوالہ کیا (چنانچہ اس کے بعد ورقہ نے حضور سے دریافت کیا تو آپ نے خود سارا واقعہ بیان فرمایا) (الوجه الرابع والخمسون فيه دليل على ان الواقع اذا وقع لامرئ الى قوله واحالت على صاحب القضية)

ف: یہ بھی آداب کلام میں سے ایک ادب ہے کہ صاحب واقعہ خود واقعہ کو بیان کرے۔

انسان اپنے لئے خیر کی تمنا کرسکتا ہے

(۴۴) حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ انسان اپنے لئے خیر کی تمنا کرسکتا ہے کیونکہ ورقہ نے اس بات کی تمنا کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت (اور تبلیغ) کے وقت جوان ہوتے (الوجه السادس والخمسون فيه دليل على ان الانسان يتمنى الخير لنفسه ثم ذكر اختلاف العلماء في ايمان ورقة فمن قائل يقول لم يحصل له الايمان بعدلانه لم يبلغ عمره زمن الرسالة ومن قائل يقول قدحصل له الايمان وهو الا ظهر الى اخرما قال)

ف: اور یہ تمنا آیت لا تتمنوا ما فضل الله به بعضكم على بعض کے خلاف نہیں کیونکہ مقصود جوانی کی تمنا نہ تھی (جو کہ غیر اختیاری ہے) بلکہ نصرت رسول کی تمنا تھی جو کہ امر اختیاری ہے اور تمنا کے احکام کی تفصیل بیان القرآن سے آیت مذکورہ کے تحت میں ملاحظہ ہو ۱۲۔

قانونِ عادت پر حکم لگانا جائز ہے

(۴۵) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص کسی چیز سے واقف ہوتا ہے وہ قانونِ عادت کے موافق

اس کے انجام کو پہچان لیتا ہے اور اس کو جائز ہے کہ مقدمات (اور مبادی) کو دیکھ کر انجام کے متعلق حکم لگادے، کیونکہ ورقہ کو جب یہ معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت (و نبوت) عطا ہوئی ہے تو وہ سمجھ گئے کہ آپ (وطن سے) ضرور نکالے جائیں گے، انہوں نے مقدمات کی صحت سے انتہاء (اور انجام) کی حقیقت کو معلوم کرلیا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ تھی جو کسی رسول میں مختلف نہیں ہوئی جیسا ورقہ نے بیان کیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ (قانون) عادت کے موافق حکم لگا دینا جائز ہے بشرطیکہ اس سے کسی امر دینی میں اختلال واقع نہ ہو (ذکرہ الشارح فی الوجہ الرابع والاربعین ثم اعادہ فی الوجہ السابع والخمسین ھھنا)

ف: حضرات صوفیہ بھی کسی کی کامیابی یا ناکامی کے متعلق مقدمات کو دیکھ کر حکم لگا دیتے ہیں جیسا طالبین سے مخفی نہیں پس ان پر اعتراض کی گنجائش نہیں مگر یہ ظاہر ہے کہ مشائخ کے ایسے احکام ظنی ہوتے ہیں قطعی نہیں ہوتے۔

واقعات ملکوت کا انکشاف تربیت اور تقویت ایمان کا سبب ہے

(۴۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ میں نے نگاہ اوپر اٹھائی تو وہی فرشتہ جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں سے ایک قدرت کا اظہار ہے جب وہ کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اس سے کہہ دیتے ہیں ہو جا وہ ہو جاتا ہے تو جیسا اللہ تعالیٰ نے زمین کو بنی آدم کیلئے (فرش) بنایا ہے کہ جس طرح چاہتے ہیں اس میں چلتے پھرتے (اور کام کرتے) ہیں اسی طرح فرشتوں کیلئے ہوا کو (فرش) بنایا ہے کہ جس طرح چاہتے ہیں اس میں چلتے پھرتے (اور کام کرتے) ہیں، جس نے زمین کو زمین پر چلنے والوں کیلئے تھام رکھا ہے وہی ہوا کو اور اس کے اوپر چلنے والوں کو تھامتا ہے، اس کی قدرت میں علت اور معلول کچھ نہیں مگر یہ حقیقت (لوگوں کی) نگاہوں سے مخفی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منظر صرف آپ کی تربیت اور ترقی کیلئے دکھلایا گیا تھا تا کہ آپ کا ایمان اور یقین قوی ہوجائے اور علم الیقین عین الیقین بن جائے اور یہی طریقہ حضور کے مبارک وارثوں کیلئے جاری ہے جب وہ اس قسم کے واقعات (بطور کشف کے) دیکھتے ہیں ان کا ایمان قوی ہوجاتا اور یقین کو ترقی ہوجاتی ہے جس سے ان کی تربیت اور مقامات ولایت میں ترقی ہوتی ہے (الوجہ الثانی والستون قولہ علیہ السلام فرفعت بصری الی قولہ وترقیا فی مقامات الولایۃ)

ف: مگر ایسے انکشافات کے درپے ہونا اور ان کے نہ ہونے سے غمگین ہونا ممنوع ہے کیونکہ یہ امور مقاصد میں سے نہیں ہیں اور نہ انسان کے اختیار کو ان میں کچھ دخل، اور غیر اختیاری امور کے درپے ہونا پریشانی کا سبب ہے، اگر کسی کو اس قسم کے واقعات پیش آجائیں وہ ان کے وقوع کو نعمت سمجھے اور جس کو پیش نہ آئیں وہ عدم وقوع کو نعمت سمجھے اور کام میں لگا رہے اور سدا غم نہ کرے کیونکہ مقصود ان پر موقوف نہیں ہے۔

مرسلہ: محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

از جمیل الکلام بقلم فقیہ الامۃ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ

☆خواجہ صاحب نے کہا میرا جی چاہتا ہے کہ مختصر نویسی سیکھ لوں اور ملفوظات ضبط کیا کروں مگر بڈھا طوطا کیا پڑہے، فرمایا بڈھے طوطے پر یاد آیا ایک صاحب نے اپنی بیوی کے پڑھنے کو لکھا تھا کہ شوق تو بہت ہے مگر بڈھا طوطا کیا پڑہے، میں نے لکھا کہ وہ تو بڈھی مینا ہیں، بڈھا طوطا نہیں پڑہتا نہ سہی بڈھی مینا تو پڑھ لے گی۔

☆فرمایا ایک دفعہ سکندر فوج کا معائنہ کرنے لگا تو دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی دو آدمیوں کے سہارے سے گھوڑے پر سوار ہو رہا ہے، سکندر نے کہا کہ بڑے میاں ایسا کیا شوق ہے فوج میں بھرتی ہونے کا دو آدمیوں کے سہارے سے تو سوار ہوتے ہو، بوڑھے نے عرض کیا حضور سوار کرنے کو تو دو بھی کافی ہیں مگر اتارنے کو سو بھی ناکافی ہیں۔

☆عورتوں کے ایثار پر فرمایا کہ میرے خسر صاحب لکھے پڑھے نہ تھے مگر خوش مزاج تھے، ایک دفعہ رات کو ان کی آنکھ کھلی تو خوشدامن صاحبہ کو کروٹیں بدلتے دیکھا پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا پیاس لگ رہی ہے، فرمایا اٹھ کر پی لو تو بولیں بس اب کون اٹھے، آدمی بہت ذہین تھے تھوڑی دیر میں خود کروٹیں بدلنے لگے اور کہا کہ تم نے بھی کس چیز کا نام لے دیا اب مجھے بھی پیاس لگنے لگی، وہ یہ سن کر فوراً اٹھیں اور پانی لائیں، جب پانی لے آئیں تو انہوں نے کہا بس پی لو، اس ترکیب سے تمہیں پانی پلوانا تھا، بہت بگڑیں اور لگیں خود کو کوسنے دینے۔

☆آداب مجلس کے ذکر میں فرمایا کہ خاموشی کا میرے یہاں یہ حال ہے کہ جہاں دو آدمیوں نے کانا پھوسی کی تو میں کہتا ہوں کہ باہر جا کر باتیں کرو یہاں تو میری سنو یا مجھے سناؤ اور آپس میں گفتگو کرنے کی اگر کوئی ضرورت ہی ہو تو باہر جا کر کرو، ایک شخص جلال آباد کے رئیس آئے تھے مجلس کا رنگ دیکھ کر ایک شخص سے کہا کہ میں اور جگہوں پر بھی گیا ہوں سب جگہ ڈپٹیوں کا اجلاس ہوتا ہے اور یہاں جج کا اجلاس ہے یعنی ڈپٹی کے اجلاس میں تو مدعی مدعا علیہ گواہ وکیل وغیرہ وغیرہ کا شور ہوتا رہتا ہے اور جج کا اجلاس سکون محض ہوتا ہے۔

☆فرمایا بعض خطوں میں لکھا آتا ہے کہ خطرات دفع نہیں ہوتے، میں لکھ دیتا ہوں تو اس سے دینی ضرر کیا ہوا؟ بس اس کا کوئی جواب نہیں۔

☆فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب نے مولانا گنگوہی سے پوچھا تھا کہ مقامات باطنی میں کہاں تک پہنچ گئے ہو؟ مولانا نے جواب میں لکھا کہ الحمدللہ مدح و ذم میرے لئے دونوں یکساں ہوگئے، پھر تو حضرت

نے بہت خوشی ظاہر فرمائی، پھر فرمایا کہ امتحان بھی ہوتا ہے اس طریق میں اور اکابر کا ہوتا ہے اور فرمایا کہ حضرت علم کی وجہ سے مولانا کا اس قدر ادب فرماتے تھے کہ ناواقف لوگ اگر اس برتاؤ کو دیکھتے تو مولانا کو پیر اور حضرت کو مرید سمجھتے، اتنا ادب تھا کہ حضرت نے مولانا سے کبھی پاؤں نہیں دبوائے، مولانا محمد قاسم صاحب سے تو گوارا فرمالیتے تھے مگر ان سے نہیں۔

امتحان پر فرمایا کہ حضرت جب تھانہ بھون تھے تو ایک دفعہ مولانا گنگوہی مہمان تھے اور کھانا حضرت کے ساتھ ہی کھا رہے تھے، مولانا شیخ محمد صاحب تشریف لے آئے، پیر بھائی تھے بے تکلف تھے فرمانے لگے آہا آج تو مرید صاحب کے حال پر بڑی نوازش ہو رہی ہے کہ ساتھ کھانا کھلایا جا رہا ہے، باوجودیکہ حضرت میں بے حد انکسار تھا خصوص مولانا کے ساتھ مگر اس وقت شان مشیخت کا غلبہ ہوا، فرمایا ہاں واقعی ہے تو میری نوازش ہی ورنہ ان کا تو یہ درجہ تھا کہ ہاتھ پر روٹی رکھتا اور روٹی پر دال اور کہتا کہ جاؤ وہاں بیٹھ کر کھا، منہ سے تو یہ فرمایا اور انکھیوں سے مولانا کی طرف دیکھا کہ کیا اثر ہوا، مولانا سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ پر کیا اثر ہوا؟ فرمایا کہ میں اس وقت یہ سمجھ رہا تھا کہ حضرت نے بڑی رعایت کی میں تو اس قابل بھی نہ تھا، اور مولانا بھی حضرت سے اتنے کھلے ہوئے اور اتنے بے تکلف تھے کہ خود حضرت کے پاس سہ دری میں (جس میں اب میں بیٹھتا ہوں) ایک صاحب ذکر میں مشغول تھے اور ذوق وشوق کے غلبہ میں اثناء ذکر میں عاشقانہ اشعار بکثرت پڑھ رہے تھے، ہمارے بزرگوں نے اثناء ذکر میں غلبۂ شوق میں ایک دو شعر پڑھے تو ہیں مگر غلو نہیں تھا، غرض انہوں نے جب کثرت سے اشعار پڑھے اور مولانا یہاں پنجدرہ میں تھے جہاں اب حافظ اعجاز پڑھاتے ہیں، یہیں سے پکار کر فرمایا کہ یہ مشاعرہ ہے یا ذکر، پھر فرمایا کہ میں بہت شرمندہ ہوا کہ حضرت کے ہوتے ہوئے مجھے کیا حق تھا مگر وہ بھی حضرت کی معنوی اذن سے تھا۔

☆ایک صاحب نے خط میں لکھا کہ میں اس حال میں ہوں کہ نہ زندہ ہوں نہ مردہ، فرمایا اچھا تو ہے موتوا قبل ان تموتوا۔

☆فرمایا مولانا محمد قاسم صاحب امراء کو دال، ساگ وغیرہ کھلاتے تھے اور غرباء کو گوشت، گھی وغیرہ، کسی نے سوال کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے، تو اصلی وجہ تو اور[1] تھی مزاحاً فرمایا مہمان کو لذیذ کھانا کھلانا چاہیے اور کلّ جدید لذیذ اِن کیلئے یہ جدید ہے اور اُن کیلئے وہ جدید۔

(۱) کہ غرباء محبوب ہیں امراء نہیں یہاں تک کہ خود حضور ﷺ نے ایک دعا کی ہے اللّھمّ احینی مسکینا وّامتنی مسکینا وّاحشرنی فی زمرۃ المساکین ۱۲ جامع۔

مولانا مفتی محمد رضوان تھانوی زیدمجدہ

ماہِ شوال کے چھ روزوں کے فضائل

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے رمضان کے (فرض) روزے رکھے اور اس کے بعد پھر شوال کے مہینہ میں چھ (نفل) روزے رکھ لیے تو (اس کو پورے سال کے روزے رکھنے کی فضیلت عطا کی جائے گی اور اگر کوئی ہر سال ہمیشہ یہی عمل کرتا رہے گا تو فضیلت حاصل کرنے میں ایسا ہوگا) گویا کہ اس نے ساری عمر روزے رکھے (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) طبرانی کی روایت میں اس فضیلت کی وجہ اس طرح بیان کی گئی ہے کہ "ہر دن کا روزہ (ثواب میں) دس روزوں کے برابر ہے" (طبرانی)

فائدہ: چاند کے اعتبار سے ایک سال میں عموماً تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نیکی کا ثواب عطا فرمانے میں یہ فضل فرمایا ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا عطا فرماتے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے من جاء بالحسنة فله عشر امثالها (سورۂ انعام آیت ۱۶۰) مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور ایک نیکی لے کر حاضر ہوگا اسے دس گنا ثواب عطا کیا جائے گا۔

اور رمضان کے تیس روزوں کے ساتھ شوال کے چھ روزوں کو ملا کر ۳۶ کے عدد کو دس میں ضرب دیا جائے تو تین سو ساٹھ کی تعداد نکلتی ہے، اس طرح رمضان کے پورے مہینہ کے روزوں سمیت شوال کے چھ روزے رکھ لینے سے پورے سال روزے رکھنے کا اجر حاصل ہوتا ہے، اگر چہ یہ اجر بطور فضل وانعام کے ہے، کو حقیقت میں سال بھر روزے رکھنے والے کے برابر نہیں، مگر کمزور لوگوں کیلئے یہ تفضیلی اور انعامی اجر ہی کیا کم حیثیت رکھتا ہے۔ (شوال کے مہینے میں) چھ روزوں کا اجر دو مہینوں کے برابر ہے، اور اس طرح یہ اجر (ملا کر) پورے سال کے برابر ہوا (مسند احمد، نسائی، ابن حبان)

ایک اور روایت میں اس مسئلہ کو اس طرح واضح کیا گیا ہے:

اللہ تعالیٰ نے نیکی کا اجر دس گنا مقرر فرمایا ہے (اس لحاظ سے) ایک مہینہ کا اجر دس مہینوں کے برابر اور اس کے بعد (شوال کے) چھ روزوں کا (اجر دو مہینوں کے برابر اور کل) ملا کر پورے سال کے روزوں کے اجر کے برابر ہے (کنز العمال بحوالہ ابن حبان)

ایک روایت میں رمضان کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے مہینہ میں چھ روزے رکھنے کی

فضیلت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے مہینہ میں چھ روزے بھی رکھے تو یہ روزہ دار اپنے (صغیرہ) گناہوں سے اس طرح چھٹکارا حاصل کرلیتا ہے جیسا کہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے (ترغیب وترہیب بحوالہ طبرانی فی الاوسط بسند ضعیف)

سبحان اللہ! رمضان کے فرض روزے تو رکھنے کی اکثر مسلمانوں کو سعادت حاصل ہو ہی جاتی ہے، اس کے بعد پورے شوال کے مہینہ میں صرف چھ روزے رکھ کر پورے سال کے روزوں کی فضیلت واجر کا نصاب اور کورس پورا کرلینا کوئی بھی مشکل کام نہیں، خصوصاً جبکہ رمضان کے فرض روزے رکھ لینے کے بعد صرف چھ روزوں کے اضافہ سے اتنی عظیم فضیلت بھی حاصل ہورہی ہو کہ تمام صغیرہ گناہوں کی معافی کا پروانہ بھی حاصل ہورہا ہو، ایسے وقت تو خوب شوق وذوق اور نہایت اہتمام کے ساتھ ان رزوں کو رکھنا چاہئے۔

اگرچہ اس جیسی احادیث میں نیک اعمال سے گناہوں کی معافی صغیرہ گناہوں تک محدود ہوتی ہے، مگر اولاً تو صغیرہ گناہوں کی معافی بھی بہت بڑی نعمت اور دولت ہے، دوسرے کبیرہ گناہوں کی معافی کیلئے اللہ تعالیٰ نے توبہ کا عمل مقرر فرمایا ہے اور توبہ کسی بھی وقت انجام دی جاسکتی ہے، اگر کوئی اس کے ساتھ ہی ہر قسم کے کبیرہ گناہوں سے بھی شرعی اصولوں کے مطابق توبہ بھی کرلے تو پھر اس کے کبیرہ گناہوں کے ساتھ صغیرہ گناہوں کی معافی ہوکر جو مقام ومرتبہ حاصل ہوگا وہ بالکل ظاہر وباہر ہے اور محتاج بیان نہیں۔

یہاں کسی کو یہ شبہ ہو کہ اگر کسی مرتبہ رمضان کا مہینہ تیس دن کے بجائے انتیس دن کا ہوا تو پھر شوال کے چھ روزے رکھنے لینے کے بعد تعداد چھتیس کو نہیں پہنچتی بلکہ صرف پنتیس تک پہنچتی ہے پھر پورے سال کی فضیلت کس طرح حاصل ہوسکے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مہینہ کے ۲۹ر یا ۳۰ر دن کا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، بندہ کا اس میں کوئی اختیار نہیں اور پھر ہر مومن بندہ کی نیت یہی ہوتی ہے کہ اگر رمضان کا مہینہ ۳۰ دن کا ہوا تو وہ تیس ہی روزے پورے کرے گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے فضل کا تقاضا یہ ہوا کہ جو چیز بندہ کے اختیار میں نہیں اور بندہ کی نیت بھی اس عمل کو انجام دینے کی ہے، وہاں ثواب پورا پورا ہی عطا فرماتے ہیں اور کوئی کمی نہیں فرماتے، لہٰذا رمضان کا مہینہ ۲۹ دن کا ہونے کی صورت میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ اجر پورا پورا ہی حاصل ہوگا۔

(بشکریہ ماہنامہ التبلیغ)

فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

قوانین حدود وقصاص (آخری قسط)

چند ضروری گذارشات بابت ایجنڈا اور کنگ گروپ برائے جائزہ قوانین حدود وقصاص

عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے

ودیة المرأة علی النّصف من دیة الرّجل وقد ورد ھذا اللّفظ موقوفا علی علیّ (والموقوف فی مثلہ کالمرفوع ولا مدخل للرّأی فی التّقدیر) ومرفوعًا الی النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم ......والحجّة علی ما رویناہ بعمومہ ولانّ حالھا انقص من حال الرّجل ومنفعتھا (ہدایہ ص۵۶۹ ج۴)

اخرج البیھقی عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم دیة المرأة علی النّصف من دیة الرّجل واخرج ابراھیم عن علیّ انّہ قال عقل المرأة علی النّصف من عقل الرجل شرح نقایہ(حاشیہ ہدایہ ص//)

بدائع میں ہے (ترجمہ) اور مقتول اگر عورت ہو تو اس کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے، چنانچہ سیدنا عمر، سیدنا علی، ابن مسعود اور زید بن ثابت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے روایت ہے کہ انہوں نے عورت کی دیت کے بارہ میں کہا تھا کہ یہ مرد کی دیت کا نصف ہوگی اور ایسی کوئی روایت نہیں کہ کسی نے ان سے اختلاف کیا ہو،لہٰذا یہ اجماعی مسئلہ ہے، علاوہ ازیں اپنی میراث اور شہادت میں مرد کے نصف پر ہے تو ایسی ہی دیت میں ہے(البدائع ص ۵۹۱)

اس کے علاوہ عاقلہ پر دیت کی صورت میں عورت اس میں بطور حصہ دار شریک نہیں ہوتی جیسا کہ عاقلہ کی تفصیل سے واضح ہے ولیس علی النّساء والذّرّیة ممّن کان لہ حظّ فی الدّیوان عقل (ہدایہ ص۶۳۲ ج۱)

عورتوں اور بچوں پر جن کا دیوان میں حصہ ہے دیت نہیں ہے ۔امام محمد کی اصل روایت یہی ہے اور یہی اصح ہے امام طحاوی نے اس کو اختیار کیا ہے(حاشیہ ہدایہ ص//)

جمہور فقہاء کے نزدیک عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے اس کے بعض دلائل اوپر مذکور ہیں، یہ مسئلہ قیاسی نہیں قیاس کو اس میں دخل نہیں، البتہ تائید میں قیاس کو پیش کیا گیا ہے، مسئلہ کا مدار نقل پر ہے،

ہمارے دور کے بعض علماء کے نزدیک عورت کی دیت مرد کے مساوی ہے اس کے بارہ میں علماء کرام نے تفصیل سے تحقیق لکھ دی ہے جس میں ان کے دلائل کا جواب بھی ہوگیا ہے، اس لئے جمہور فقہاء کے مذہب پر ہی عمل کرنا چاہئے، یہ نقل اور عقل کے موافق ہے۔

قانون ہذا کی دفعہ ۳۳۰ کی رو سے دیت مقتول کے ورثاء کے درمیان بحصہ وراثت تقسیم ہوتی ہے، کہا گیا ہے کہ دیت مقتول کے پسماندگان کو معاوضہ کے طور پر دی جاتی ہے یہ مقتول کا ترکہ نہیں کہ اسے مقتول کے ورثاء میں بحصہ وراثت تقسیم کیا جائے (ایجنڈا ص ۸)

اس کے بارہ میں عرض ہے کہ دیت مقتول کے ورثاء میں بحصہ وراثت تقسیم ہوگی، یہی صحیح اور ثابت بالسنۃ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیم الضبابی کی عورت کو اس کے زوج کی دیت میں حصہ وراثت دلوایا تھا جیسا کہ ترمذی میں ہے اور اس حدیث کو ترمذی نے ھذا حدیث حسن صحیح کہا ہے، اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

عن سعيد بن المسيّب قال: قال عمر الدّية على العاقلة ولاترث المرأة من دية زوجها شيئًا فاخبره الضّحّاك بن سفيان الكلابي انّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم كتب اليه: ان ورّث امرأة اشيم الضّبابي من دية زوجها (ازاعلاء السنن ص ۳۰۰۳ ج ۱۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

واخرج الدّارمي عن عمر وعليّ و زيد قالوا الدّية ا ورث كما يورث المال وعن ابي قلابة قال: الدّية سبيلها سبيل الميراث وعن ابراهيم قال الدّية على فرائض اللّٰه وعن ابن شهاب قال العقل ميراث بين ورثة القتيل على كتاب اللّٰه وفرائضه (ازاعلاء السنن ص ر ر)

ضحاک بن سفیان الکلابی کی روایت سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی پہلی رائے سے (کہ دیت خاصۃ مقتول کے عصبات کیلئے ہے) رجوع کرلیا تھا۔

وروى الامام احمد باسناده عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جدّه انّ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلم قضى انّ العقل ميراث بين ورثة القتيل على فرائضهم ... حديث عمرو بن شعيب عن جدّه اخرجه الهيثمي في مجمع الزّوائد وقال رواه احمد ورجاله ثقات اه (۳۳۰/۴)

وفيه ايضًا عن انس بن مالك رضى اللّٰه عنه انّ قتل اشيم كان خطأً رواه الطّبرانى ورجاله رجال الصّحيح (ازاعلاء ص۳۵۴ ج۱۸)

فالاظهر فى تفسير الدّية ما ذكره صاحب الغاية اخرا قال والدّية اسم لضمان يجب بمقابلة الادمى اوطرف منه سمّى بها لانّها تجرى عادة لانّها قلّما يجرى فيه العفو لعظم حرمة الادمى (ازتکملہ فتح القدیر ص۳۰۱ ج۸)

وروى سعيد بن المسيّب انّ النّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم قال فى النفس الدّية وفى اللّسان الدّية وفى المارن الدّية وهكذا فى الكتاب الّذى كتبه رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم لعمرو بن حزم كماسيأتى (//)

یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ دیت آدمی اور اس کے کسی عضو کے بدلے میں واجب ہوتی اور ولی کو قاتل کی طرف سے دی جاتی ہے والاصل فى وجوبها على العاقلة قوله عليه السّلام فى حديث حمل بن مالك للاولياء قوموا فدوه (ہدایہ کتاب المعاقل ص۶۲۹ ج۴)

اور بعض صورتوں میں قاتل کے مال میں دیت واجب ہوتی ہے مثلاً قاتل ابن کے مال میں دیت واجب ہوتی ہے اور وہ حالاً ہوتی ہے بخلاف دیت علی العاقلہ کے کہ وہ تین سال میں ادا کی جاتی ہے۔

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رجل قتل رجلاخطأً فالدّية بين جميع الورثة والموصى له بالثّلث كسائر التركة لان الدّية مال هو بدل نفسه فيكون تركة له بعد موته كسائر امواله......وقدصحّ رجوع عمر عن هذا (يعنى انّما الدّية للعصبات خاصّةً) حيث روى له الضّحّاك بن سفيان الكلابى الحديث كمارويناولاحقّ للموصى له بالثّلث فى دم العمد لانّ موجبه القصاص وليس بمال ولايحتمل التّمليك ما يعقد الخ (ص۱۶۴ ج۲۶)

ہدایہ میں ہے: واصل هذا انّ القصاص حقّ جميع الورثة وكذا الدّية الخ (ص۵۵۶ ج۴)

شرح کنز للعلامۃ الزیلعی میں ہے: الدّية اسم للمال الّذى هو بدل النّفس الخ (۱۳۶ ج۴)

علامہ احمد الشبلی محشی شرح الکنز لکھتے ہیں: ذكرمسائل كتاب الدّيات بعد كتاب

الجنایات لا ن الدیة احد موجبی الجنایة فی الآدمی الخ (//)

مطلب یہ ہے کہ دیت جنایت سے واجب ہونے والی دو چیزوں میں سے ایک ہے، ایک قصاص دوسری دیت، اصل قصاص ہے مگر کسی عارض کی وجہ سے جیسے خطا سے جنایت ہوئی ہو دیت واجب ہوتی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ دیت واجب ہے اور یہ واجب ہوتی ہے بوجہ جنایت کے جیسے کہ قصاص واجب ہوتا ہے۔

جنایت کے دو موجب ہیں، اول قصاص، جب وہ ساقط ہو جائے تو اس کا بدل دیت واجب ہوتی ہے۔

ہدایہ میں ہے: واذا سقط القصاص ینقلب نصیب البا قین مالا الخ (ص ۵۵۶ ج ۴) جیسے قصاص حق ہے وارثوں کا ایسے ہی اپنی شرائط سے دیت بھی وارثوں کا حق ہے۔

شمس الائمہ السرخسی لکھتے ہیں: ہماری دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جس نے مال یا حق چھوڑا ہو وہ اس کے وارثوں کا ہے اور قصاص حق ہے اس کا اس لئے کہ اس کے نفس کا بدل ہے تو ہوگی میراث اس کے تمام وارثوں کی جیسا کہ دیت (المبسوط ص ۱۵۷ ج ۲۶)

دیت مال نفس کے بدلہ میں دی جاتی ہے، پھر اس کے ترکہ میں داخل ہونے میں کیا شبہ ہے، وہ یقیناً ترکہ میت مقتولہ میں داخل ہے جیسا کہ شمس الائمہ السرخسی وغیرہ فقہاء نے تصریح کی ہے، وہ ورثہ مقتول کا حق ہے اور جیسے میت کا مال ترکہ میت ہوتا ہے اسی طرح میت کا حق بھی اس کا ترکہ ہوتا ہے جیسا کہ مبسوط سرخسی سے اوپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گذرا۔

یہ جو کہا جا رہا ہے کہ دیت مقتول کا ترکہ نہیں صحیح نہیں، جس طرح اس کا مال ترکہ ہے اسی طرح اس کا ''حق'' بھی ترکہ ہے، اسی بنیاد پر تو اس کے وارث قصاص کے حقدار ہوتے ہیں، قصاص بھی تو مال نہیں بلکہ حق ہے، اسی طرح دیت بھی حق میت ہے اس کے بھی تمام وارث حقدار ہوں گے۔

قرآن کریم سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ دیت مقتول کے وارثوں کا حق ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنا الا خطأً (الی قولہ) وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیة مسلمة الی اھلہ وتحریر رقبة مؤمنة الآیة (پ۵)

خلاصہ ترجمہ: اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو (ابتداءً) قتل کرے لیکن غلطی سے (ہو جائے تو اور بات ہے) اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر (شرعاً) ایک غلام یا لونڈی

کا آزاد کرنا (واجب) ہے اور خونبہا (بھی واجب ہے) جو اس (مقتول) کے خاندان والوں کے (یعنی ان میں جو وارث ہیں بقدر حصص میراث) حوالہ کر دی جاوے (اور جس کے کوئی وارث نہ ہو بیت المال قائمقام ورثہ کے ہے) مگر یہ کہ وہ لوگ (اس خونبہا) کو معاف کر دیں (خواہ کل یا بعض اتنی ہی معاف ہو جاوے گی) (بیان القرآن ص ۱۴۵ ج ۲)

قاضی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں (یہ قاضی صاحب شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں) قوله تعالى مسلّمة مؤدّاة الى اهله اى اهل المقتول يعني ورثته يصرفونها مصارف تركته في تجهيزه و ما بقي في اداء ديونه ثمّ ما بقي في انفاذ وصاياه من الثّلث وما زاد ان شاء و وما بقي يقسم بين الورثة كسائر المواريث ،الّا ان يّصّدّقوا يعني ان يّعفوا اى الورثة اوالمقتول بعد الجرح قبل ان يّموت (تفسیر مظہری ص ۱۸۳ ج ۳)

فدية مّسلّمة الى اهله سے ثابت ہورہا ہے کہ دیت واجب ہے اور مقتول کے وارثوں کا حق ہے، ان کے سپرد کی جائے گی، وارثوں کو اس میں ہر طرح سے ہر طرح تصرف کا اختیار ہے جیسا کہ تفسیر مظہری میں تصریح ہے۔

الّا ان يّصّدّقوا وارثوں (یا مقتول کو جرح کے بعد موت سے پہلے) دیت کے معاف کرنے کے اختیار دینے سے ثابت ہورہا ہے کہ یہ دیت وارثوں کی ملکیت ہے، ملکیت کے بغیر معافی متصور نہیں ہے، اس لئے وارثوں کی اجازت کے بغیر دیت میں کسی طرح کا کوئی تصرف کرنا بغیر اجازت کے ملک غیر میں تصرف قرار پائے گا جو کہ ناجائز ہے۔

دیت کو ورثہ مقتول کے سوا کسی اور مصرف میں صرف کرنا دیت کی مشروعیت کی حکمت اور افادیت کے بھی خلاف ہے، یہ تو اس لئے مشروع ہوئی ہے کہ مقتول کا اس کے وارثوں کو ایک قسم کا بدلہ مل جائے، نفس کا بدلہ اگر چہ نفس ہی ہے مال نہیں ہے مگر بالکل ہدر ہونے سے بچانے کیلئے مال کو شرعاً بدل قرار دے دیا گیا کیونکہ قاتل کی نیت قتل کی نہیں تھی بلکہ اور کوئی مانع تھا۔

قاعدہ

ہدایہ میں یہ قاعدہ لکھا کہ محل جزا میں جو مصدر مقرون بحرف فا ہو اس مصدر سے امر مراد ہوتا ہے، عبارت یہ ہے: والمصدر المقرون بحرف الفاء في محلّ الجزاء يراد به الامر۔

اس کی شرح میں علامہ قاضی زادہ آفندی لکھتے ہیں:

نظیرہ قولہ تعالٰی فضرب الرّقاب ای فاضربوھا وقولہ تعالٰی فتحریر رقبۃ مّؤمنۃ ای فلیحرّرھا الخ (ص۱۹۱ج۸ تکملہ فتح القدیر)

جب تحریر رقبۃ مّؤمنۃ مصدر امر کے معنی میں ہوا اور امر کا موجب وجوب ہے اور ودیۃ مّسلّمۃ الٰی اھلہٖ اس پر معطوف ہے معطوف کا حکم وہی ہے جو معطوف علیہ کا ہوتا ہے، اس لئے قتل خطا پر تحریر رقبۃ اور مقتول کے ورثہ کو (اھلہٖ کی تفسیر ورثہ سے کی گئی ہے) دیت سپرد کرنا واجب ہے اور اس دیت کو نفس مقتول خطا کا شرعاً بدلہ قرار دیا گیا ہے، بغیر معاوضہ نفس ورثہ مقتول کو ابتداءً نہیں دی جاتی کہ جس طرح چاہیں اس کو صرف کرلیں، بلکہ اس کو ورثہ مقتول کا حق نفس مقتول کے معاوضہ میں شرعاً قرار دیا گیا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی آیت کریمہ محولہ بالا اور ضحاک بن سفیان الکلابی کی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ اشیم الضبابی کی عورت کو اس کے خاوند کی دیت میں سے حصہ وراثت دلایا گیا تھا جیسا کہ اوپر تفصیل سے گذرا۔

نوٹ: ''جس صورت میں شرعاً دیت کا کوئی حقدار نہ ہو مقتول لاوارث ہو اور بیت المال ہی حقدار ہو تو اس دیت کو مفاد عامہ میں خرچ کیا جاسکتا ہے'' اس پر غور کیا جاسکتا ہے۔

دفعہ ۳۲۳ میں دیت کی مقدار کا تعین احکام شرع کے تابع عدالتوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے، اس سے بھی عدالتوں کے فیصلوں میں اختلاف اور عوام میں انتشار پیدا ہوگا، ہر شخص عدالتوں کے مختلف فیصلوں پر تنقید کرے گا اور عدالتوں کو تعیین کرنے میں دقت کے علاوہ ان پر تہمت کا دروازہ کھلے گا، اس لئے دیت کی تعیین کردینی ضروری ہے تاکہ عدالتوں کو فیصلوں میں سہولت بھی حاصل ہو اور یکسانیت بھی رہے۔

دیت کی تفصیل

دیۃ شبہ العمد عن علقمۃ والاسود قالا قال عبد اللّٰہ فی شبہ العمد خمس وّعشرون حقّۃ وخمس وّعشرون جذعۃ وخمس وّعشرون بنات لبون وخمس وّعشرون بنات مخاض، اخرجہ ابوداؤد وسکت عنہ ھو والمنذری زیلعی (اعلاء السنن ص۱۴۳ ج۱۸) اسی طرح ہدایہ ص۵۶۸ ج۴ پر ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حدیث ابن مسعود کو ترجیح اس وجہ سے دی ہے کہ چار قسموں کے ساتھ تغلیظ متفق علیہ ہے اور تین قسموں سے تغلیظ اختلافی ہے، متفق علیہ پر عمل کرنا بنسبت اختلافی پر عمل کرنے کے راجح ہے (اعلاء السنن ص۱۴۳ ج۱۸) چار قسموں کی تفصیل اوپر ذکر کردی گئی ہے۔

دیت قتل خطا

عن عبد اللّٰہ بن مسعود قال : قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی دیۃ الخطأ عشرون حقّۃ وعشرون جذعۃ وعشرون بنت مخاض وعشرون بنت لبون وعشرون ابن مخاض ذکر،اخرجہ ابوداوٗد وسکت عنہ وقال ھو قول عبد اللّٰہ (اعلاء السنن ص۱۴۴ج۱۸)

وقال الترمذی لا نعرفہ مرفوعا الاّ من ھذا الوجہ وقد روی عن عبد اللّٰہ موقوفا (شرح نقایہ)

اور قواعد حدیث کے مطابق موقوف بھی اسی طرح کے مسئلہ میں حکم میں مرفوع کے ہے اور سماع پر موقوف ہے کیونکہ قیاس کو مقدار مقرر کرنے میں دخل نہیں ہے اس لئے سماع پر موقوف ہے۔

اسی طرح ہدایہ (ص ۵۶۸ ج ۴) میں ہے کہ قتل خطا کی دیت سواونٹ پانچ قسم کے ہیں اور اوپر کی تفصیل کے مطابق ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل خطا میں اسی طرح پانچ قسم کے اونٹوں کا فیصلہ فرمایا تھا۔

مختلف روایات میں جس روایت کو اختیار کیا ہے اس میں تخفیف ہے اور تخفیف قتل خطا کے مناسب ہے اس لئے اسی پر عمل کرنا چاہئے (عنایہ شرح ہدایہ)

اونٹوں کے علاوہ دیت

ہدایہ ص ۵۶۹ ج ۴ میں ہے کہ سونا ایک ہزار دینار اور چاندی دس ہزار درہم دیت میں دیئے جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقتول کی دیت کا فیصلہ دس ہزار درہم سے کیا تھا، اور گایوں میں سے دوسو گائیں اور بکریوں میں سے دو ہزار بکریاں اور کپڑوں کے دو جوڑے ہر جوڑا دو کپڑوں کا ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر مال والے کے ذمہ اسی طرح مقرر کیا ہے (کذا فی الہدایہ ص ۵۶۹ ج ۴)

روایات میں مختلف وزن کے دراہم کا ذکر آتا ہے مگر دیت میں دس ہزار درہم پر سب کا اتفاق ہے اس سے زیادہ میں اختلاف ہے، تو جس مقدار پر اتفاق ہے اور وہ متیقن ہے اس پر ہی عمل کرنا چاہئے اور وہ دس ہزار درہم اور ایک ہزار دینار ہیں، ہر دینار دس درہم کا ہے، اسی واسطے زکوٰۃ میں سونے کا نصاب بیس دینار اور چاندی کا دوسو درہم مقرر کیا گیا ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، گویا شرع نے دس درہم کو ایک دینار کی قیمت قرار دیا ہے، سونے کی بیس مثقال میں زکوٰۃ ہے اور چاندی کی دوسو درہم میں، دوسو درہم

بیس دینار کے برابر ہوئے، اسی طرح ہر دینار کے مقابلہ میں دس درہم دیت میں شمار کرنے چاہئیں۔

جنین کی دیت میں بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنین کی دیت میں پانچ سو درہم کا فیصلہ فرمایا (کذا فی الزیلعی)

اس سے ثابت ہوا کہ دیت دس ہزار درہم ہے، کیونکہ جب پانچ سو درہم بیسواں حصہ ہوا تو کامل دیت دس ہزار درہم ہوگی۔ فقط

باقی ایجنڈے پر پھر عرض کیا جائے گا[1]، امید ہے کہ تحریر پر غور فرمایا جائے گا۔

سید عبدالشکور ترمذی
مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا
رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان
۳/شوال المکرم ۱۴۲۱ھ ۳۰/دسمبر ۲۰۰۰ء

---

(۱) ولکن ع کم حسرات فی بطون المقابر

افسوس صد افسوس کہ حضرت اقدس ترمذی قدس سرہ کی زندگی کی یہ آخری تحریر ثابت ہوئی، آپ نے ۳/شوال المکرم ۱۴۲۱ھ کو یہ تحریر مکمل فرمائی اور ۴/کو اس پر نظر ثانی فرما کر احقر کے سپرد کیا کہ اسے نظریاتی کونسل کے چیئرمین صاحب کو بھیج دیا جائے، احقر ابھی یہ تحریر گرامی بھیج بھی نہ پایا تھا کہ ۵/شوال بعد مغرب حضرت اقدس اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمائے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ مضمون حضرت اقدس کا آخری مضمون ہے جو بہت سے علمی فوائد اور گراں قدر تحقیقات پر مشتمل ہے جسے عوام وخواص کے افادہ کیلئے الحقانیہ میں شائع کیا گیا، خدا تعالیٰ حضرت کیلئے اسے رفع درجات کا سبب اور باقیات صالحات بنائیں اور امت کو مستفیع ہونے کی توفیق دیں، آمین۔

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ
۲۲/۹/۲۷ھ

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

کتاب ''تعلیمات اسلام'' ایک نظر میں

الحمد للّٰہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الّذین اصطفٰی، امّا بعد

عرض آنکہ کتاب ''تعلیمات اسلام'' مؤلفہ حضرت مسیح الامت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ السامی کے تفصیلی مطالعہ کا احقر کو شرف حاصل ہوا، فالحمد للّٰہ علٰی ذٰلك۔

یہ کتاب پانچ حصوں پر مشتمل ہے، اس کتاب کے اعتبار اور استناد کیلئے حضرت مولانا ممدوح کا اسم گرامی ہی کافی ضمانت ہے، مختصر طریقہ سے کتاب کا تعارف پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

زیر نظر کتاب میں اسلامی عقائد وعبادات کے ساتھ اسلامی اخلاق اور معاشرت وغیرہ کے مسائل کو بھی بیان فرمایا گیا ہے۔

پیرایۂ بیان عام فہم، نہایت آسان اور دلچسپ ہے، کم عمر اور کم علم سب کیلئے مفید ہے، اگر اس کتاب کو عام طور پر مساجد میں سنایا جائے تو عام فہم ہونے کی وجہ سے عام لوگوں کو ضروری عقائد ومسائل معلوم ہو سکتے ہیں۔

اور دینی مدارس کے ابتدائی درجہ میں اگر چھوٹے بچوں
کو سبقاً پڑھایا جائے تو از حد مفید ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۱) پہلے حصہ میں عقائد اسلام کا بیان ہے، وجود باری تعالیٰ پر دلائل قائم کئے گئے ہیں، عقائد کی اہمیت دلائل کے ساتھ بیان کی گئی ہے، عقیدۂ رسالت وختم نبوت، ملائکہ، جنت، دوزخ کے وجود پر دلائل قائم کئے گئے ہیں اور وزن اعمال کے عقیدہ کو بھی قرآن کریم کی آیات سے ثابت کیا گیا ہے۔

اس عقیدہ میں عام طور پر عقل پرست لوگ شک پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ عقیدہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔

جنت، دوزخ اور ملائکہ کا وجود بھی ثابت ہے مگر بہت سے جدید تعلیم یافتہ ان کا انکار اور ان میں تاویلیں کر کے اپنا ایمان خراب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

اسی طرح عصمت انبیاء اور معجزات کی حقیقت اور ضرورت کو اچھے پیرایہ میں دلائل کے ساتھ بیان

کیا گیا ہے اور بعض معجزات کا ذکر بھی کیا گیا ہے، عقل پرست اور مادہ پرست لوگوں کی سمجھ میں یہ روحانی مافوق العقل امور نہیں آتے کہ جو بات ہماری عقل میں نہ آئے اس کا انکار کر دیا جائے۔

قیامت اور امورآخرت اور وہاں کی جزا اور سزا کا بیان بھی کیا گیا ہے کیونکہ آخرت کی جزا اور سزا کا عقیدہ ہی انسان کے کردار وعمل کی اصل بنیاد ہے، اگر قیامت اور وہاں کی جزا اور سزا پر یقین نہ ہو تو پھر انسان اور جانور میں کچھ فرق نہیں رہتا، مادر پدر آزاد ہو جاتا ہے۔

کتاب کا یہ حصہ نہایت ہی اہم اور ضروری ہے کیونکہ عقائد کی تصحیح کے بغیر کسی عبادت کا اجر نہیں ملتا اور وہ مقبول نہیں ہوتی، سب سے پہلے عقائد کو سمجھنا اور ان کو صحیح کرنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عنایت فرمائیں، آمین۔

(۲) دوسرا حصہ عبادات کے بیان میں ہے، عبادت کسے کہتے ہیں؟ اس کی قسمیں کتنی ہیں؟ وضو، نماز کا طریقہ، زکوۃ، صدقۃ فطر، قربانی، حج وغیرہ عبادات کو بیان کرنے کے ساتھ خطبات جمعہ وغیرہ کا بھی بیان فرما دیا گیا ہے۔

(۳) تیسرے حصہ میں معاملات، معاشرت، اخلاقیات وسیاست کا بیان کیا گیا ہے، عقائد کی تصحیح اور عبادات کی پابندی کے باوجود عام طور پر ہمارے معاملات، خرید وفروخت وغیرہ سودی ہوتے ہیں اور ہمیں علم بھی نہیں ہوتا کہ معاملہ سودی ہو رہا ہے، اچھے اچھے عبادت گذار اس میں نادانستہ طور پر مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اور معاشرت کو تو آج کل دین ہی نہیں سمجھا جاتا حالانکہ یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے جس میں عقائد وعبادات اور معاملات کے ساتھ معاشرت کی بھی تعلیم دی گئی ہے، ایک دوسرے سے ملنے، پڑوسیوں اور مہمانوں کے اسلام نے کیا آداب سکھلائے ہیں ان کا علم ضروری ہے، اس حصہ میں اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

اسلام میں اخلاقیات کی بہت اہمیت ہے اور اسلام کا اہم جز ہے، اخلاق حمیدہ اور اخلاق ذمیمہ کی پہلے اجمالی فہرست پیش کی گئی ہے پھر ہر ایک کی حقیقت اور اخلاق حمیدہ کے حاصل کرنے اور ذمیمہ سے بچنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔

عام طور پر ''اخلاق'' کا نام ہی نام زبانوں پر آتا رہتا ہے، ان کی حقیقت سے بہت کم لوگوں کو آگاہی حاصل ہے، بحمد اللہ اس حصہ میں اخلاقیات کا بیان تفصیل سے کر کے بڑا احسان فرمایا گیا ہے، یہی اخلاق اصل تصوف ہیں جن کا ذکر حدیث جبریل میں ''الاحسان'' کے عنوان سے کیا گیا ہے، اس کے بعد

"ولایت" اور "ولی" کی تعریف بھی کردی گئی ہے کہ ولی کسے کہتے ہیں، شیخ ومربی کی ضرورت اور "کرامت" کا بیان بھی اس سلسلہ میں آگیا ہے جو بہت مفید ہے۔

دین کا ایک شعبہ سیاست بھی ہے، سیاست وحکومت انسانی زندگی کا اہم ترین شعبہ ہے، دنیا کی صلاح وفساد پر سب سے زیادہ اثر اسی کے صلاح وفساد کا پڑتا ہے اس لئے یہ ممکن نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت اور رہنمائی سے اس اہم شعبہ کو بالکل خارج فرمادیتے اور اس کے بندے بالکل آزاد ہوکر سیاست وحکومت کی گاڑی جس طرح چاہتے چلاتے، زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح سیاست وحکومت کے بارہ میں بھی اسلام کی خاص ہدایات اور منضبط اصول واحکام ہیں ان کا لحاظ اور پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اس کی طرف بھی اس حصہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

(۴) **چوتھے حصہ** میں "سیرت طیبہ" کے عنوان کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سوانح کی تفصیل بیان کی گئی ہے، تعدد ازواج پر شبہات کا رد اور افضلیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر دلائل بیان فرمائے گئے ہیں۔

معراج کے ثبوت پر بھی چند دلائل قائم کئے گئے ہیں، مدینہ طیبہ میں اسلام، ہجرت، مشروعیت جہاد، صلح حدیبیہ، سلاطین کے نام دعوت نامے، مرض وفات، خلافت، صحابہ کرام، صحابی کی تعریف، فضائل صحابہ ایسے کئی عنوانات قائم کئے گئے ہیں، چہل حدیث اور سنتوں کا بیان کیا گیا ہے اور اس میں خوب تفصیل کی گئی ہے۔

(۵) **پانچواں حصہ**، اس حصہ میں گناہوں کی حقیقت، اس کی قسمیں اور بدعت کی حقیقت، عرس کی شرعی حیثیت پر بہت عمدہ پیرایہ میں تفصیلی گفتگو فرمائی گئی ہے۔

حدیث لاتجعلوا قبری عیدا میری قبر کو عید نہ بنانا، یعنی جس طرح عید کیلئے دن مقرر ہوتا ہے اسی طرح میری قبر پر اکٹھے نہ ہونا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے روضہ مبارک پر اس طرح جمع ہونے سے منع فرمارہے ہیں تو پھر دوسرے کے مزار پر تعیین ماہ وتاریخ اور فاخرہ لباس زینت کو پہن کر مثل شادی اور عید کے جمع ہوکر جانا اور جمع ہونا کیونکر درست ہوسکتا ہے، البتہ بغیر تعیین تاریخ کے زیارت اور مقصود زیارت قبور سے عبرت حاصل کرنا، ان کیلئے دعا کرنا اور آخرت کو یاد کرنا ہے، ان فائدوں کیلئے زیارت کا حکم فرمایا گیا ہے، اس طرح کی زیارت قبور سے کوئی منع نہیں کرتا دن وغیرہ کا تعین کرکے عرس سے منع کیا جاتا ہے جس کا لاتجعلوا قبری

عیدا حدیث سے منع ہونا ثابت ہورہا ہے۔

اس کے بعد اسلامی مہینوں کے خاص خاص احکام بیان کئے گئے ہیں اوران میں جو غلط رسومات اور بدعات مروج ہوگئی ہیں ان کی احسن طریقہ سے نشاندہی کی گئی ہے۔

میلاد شریف کے بارہ میں صحیح اسلامی طرزِ فکر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ذکر رسول کے ساتھ کوئی ایسی چیز جمع نہ کی جائے جو حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مرضی و خوشی کے خلاف ہو"حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا "جو بات دین کا جزو نہیں اسے دین میں داخل نہ کرو" پھر لکھا ہے کہ "کیا آج کل جو میلاد شریف کا طرز ہے وہ مکروہ باتوں سے پاک ہوتا ہے اور عقیدوں کی درستی کے ساتھ ہوتا ہے؟ تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ کوئی جزو آج کل میلاد شریف میں پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مرضی کے موافق نہیں" اسی طرح تقریباً ہر ماہ کی غلطیوں اور رسومات کو اچھے انداز میں ذکر فرمادیا گیا ہے۔

اس جگہ ایک قاعدہ فقہیہ کی طرف بھی اشارہ فرمادیا ہے جس سے بہت سی بدعات کا منع ہونا سمجھا جاسکتا ہے، فرماتے ہیں "جس کے فعل سے دوسرے لوگ حجت پکڑیں کہ یہ کام فلاں صاحب نے بھی تو کیا ہے اور جو لوگ پوری رعایت شرع کی کرتے ہیں تو ایسے شخص کو بھی اس فعل مباح اور مستحب کی اجازت نہ دی جائے گی، اس میں دوسرے مسلمان بھائیوں کا دینی نقصان ہے اور دنیوی بھی"۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح خود غلط عقیدہ سے بچنا ضروری ہے اسی طرح دوسرے کے عقیدہ کی حفاظت بھی ضروری ہے جس کا فقہی عنوان ہے کہ جس طرح لازمی مفسدہ سے کوئی امر مباح و مستحب ممنوع ہو جاتا ہے اسی طرح مفسدہ متعدیہ سے ممنوع ہو جاتا ہے، اس قاعدہ کو نظر انداز کر دینے سے بہت سے امور ممنوعہ میں ابتلا ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اس حصہ کے آخر میں چند مفید اور مسنون دعاؤں کا ذکر کیا گیا ہے، قرآن کریم اور حدیث میں مختلف عنوانات سے دعا کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ آخر میں ان بعض باتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو لوگوں میں غلط پھیل گئی ہیں۔ غرضیکہ یہ کتاب اجمالی طور پر تمام "تعلیمات اسلام" پر مشتمل اور اسلام کے جملہ ابواب کی جامع اور حاوی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں اور حضرت مؤلف علیہ الرحمۃ کیلئے ذریعۂ رفع درجات بنائے، آمین۔

مولوی محمد علی اسعد صاحب سرگودھا

مدارس دینیہ اور ان کی خدمات

مدارس دینیہ کی خدمات اور کردار سے آج کوئی ذی ہوش بے خبر نہیں، ان اداروں میں دی جانے والی تعلیم وتربیت ایک صالح دینی معاشرے کی تشکیل میں اہم اور کلیدی کردار ادا کررہی ہے، مدارس کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کو نہ ماننے والے اور ان کو معاشرے پر ایک فضول بوجھ قرار دینے والے یا تو حقیقت سے بے خبر ہیں یا پھر پس پردہ کوئی ضد وعناد انہیں اپنے اس موقف پر مجبور کررہا ہے، اگر کچھ دیر کیلئے تعصب کی عینک سے بے نیاز ہوکر دیکھیں تو انہیں اپنے نظریہ کی بے ثباتی کا علم ہوجائے گا، اگر کچھ وقت کیلئے مدارس کے نصاب ونظام کو بنظر انصاف دیکھ لیا جائے تو بہت سے خدشات دور ہوسکتے ہیں، لیکن کیا کہئے کہ اس جیتی جاگتی دنیا اور رہیدار ماحول میں ہر کوئی مصروف ہے، اپنے حقوق کے حصول میں تو کوشاں ہے لیکن فرائض سے غافل، ان ڈھیروں مشاغل میں کسی کے پاس اتنی فرصت کہاں کہ وہ تسلی کے ساتھ دوسرے کی بات ہی سن لے ؎

نہیں منت کش تاب شنیدن داستاں میری — خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری
یہ دستور زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں — یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری
اٹھائے کچھ ورق لالہ نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے — چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

لیکن اب وقت آگیا ہے کہ اہل مدارس اپنے نصاب کا تعارف کرائیں، طریقہائے تدریس کو منظر عام پر لائیں اور امتحانات کے آزاد و خودمختار نظام سے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیں، اپنے آپ کو علیٰ رؤس الاشہاد پیش کریں اور اہل دنیا کو دعوت دیں کہ وہ آئیں، جائزہ لیں اور تنقیدی نظر سے دیکھیں ہمارے نصاب کو، طریقۂ تدریس کو، طرز امتحان کو اور داخلہ فیس کو، پھر اپنے نظامہائے تعلیم پر ایک نظر ڈالیں، اور اگر اس جیسا نظام تعلیم وتربیت ان کے پاس ہو تو پیش کریں ؎

ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے — سراپا درد ہوں، حسرت بھری ہے داستاں میری
الٰہی! پھر مزہ کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا — حیات جاوداں میری، نہ مرگ ناگہاں میری
میرا رونا نہیں، رونا ہے یہ سارے گلستاں کا — وہ گل ہوں میں خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری

لہٰذا اب ہم مدارس دینیہ کے متفقہ نصاب ''درس نظامی'' کے فوائد ومنافع پر کچھ بات کریں گے اور کوشش کریں گے کہ مذکورہ نصاب میں علمی پختگی، تدریجی ترقی اور تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تربیت دینے کے

جو ذرائع اختیار کئے گئے ہیں ان پر کچھ روشنی پڑ جائے اور اس مبارک نصاب کی اہمیت و نافعیت سامنے آئے۔

درس نظامی کے نصاب میں چند اہم علوم و فنون کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے جن کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱)تفسیر (۲)حدیث (۳)فقہ (۴)اصول تفسیر (۵)اصول حدیث (۶)اصول فقہ (۷)علم کلام (۸)بلاغت (۹)ادب عربی (۱۰)نحو (۱۱)صرف (۱۲)منطق (۱۳)فلسفہ (۱۴)فلکیات (۱۵)شعر و قوافی (۱۶)معاشیات اسلامی (۱۷)قراءت (۱۸)رد فرق باطلہ (۱۹)علوم عصریہ (۲۰)خطاطی۔

ان میں سے ایسے علوم و فنون جن پر بہت زیادہ محنت کی اور کرائی جاتی ہے اور جنہیں امہات کا درجہ حاصل ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، ادب عربی، نحو، منطق، بلاغت اور صرف۔

علم تفسیر

درجہ ثانویہ عامہ (مساوی میٹرک) سے پارہ عـــمّ کی تفسیر کا آغاز ہوتا ہے جس میں ترجمہ کے ساتھ آیات مبارکہ کی مختصر تفسیر و تشریح، صرفی، لغوی تحقیق اور نحوی ترکیب کے ساتھ ایک پارہ پڑھایا جاتا ہے، یہ چونکہ علم تفسیر کا ابتدائی دور ہوتا ہے اس لئے طالب علم کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے تفسیر مختصر کی جاتی ہے، بڑے بڑے اہم اور مشکل مسائل تفسیر سے کوئی تعرض نہیں کیا جاتا، عـــمّ پارہ کا امتحان بورڈ (وفاق المدارس العربیہ ملتان پاکستان) خود لیتا ہے، اس کے بعد اگلے سال درجہ ثالثہ (مساوی ایف اے سال اول) میں پارہ نمبر ۲۱ تا پارہ نمبر ۲۹ مکمل نو پارے مع تفسیر و تشریح اور مسائل تفسیر پڑھائے جاتے ہیں، آخری تین پاروں میں لغوی تحقیق پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے، اس کے بعد اگلے سال درجہ رابعہ (مساوی ایف اے سال دوم) میں پارہ نمبر ۱۱ تا پارہ نمبر ۲۰ مکمل دس پارے مع تفسیر و تشریح اور مسائل تفسیر کے پڑھائے جاتے ہیں اور تفسیر کے اس حصہ کا باقاعدہ امتحان بورڈ (وفاق المدارس) لیتا ہے، اس کے بعد درجہ خامسہ (مساوی بی اے سال اول) میں شروع کے دس پارے پڑھائے جاتے ہیں اور یوں چار سال کے عرصہ میں ایک طالب علم مکمل قرآن مجید ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پڑھ لیتا ہے، اس کے بعد تفسیر جلالین شریف عربی شامل نصاب ہے جو درجہ سادسہ (مساوی بی اے سال دوم) میں پڑھائی جاتی ہے۔

تفسیر جلالین شریف علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اور ان کے استاذ علامہ جلال الدین محلی رحمہ

اللہ کے تفسیری افادات کا مجموعہ ہے، مکمل تیس پاروں کی یہ عربی تفسیر ایک ہی سال میں پڑھائی جاتی ہے، اس کا امتحان بھی خود بورڈ لیتا ہے، اس کے بعد تفسیر بیضاوی شریف عربی شروع سے اکیس رکوع (سوا پارہ) شامل نصاب ہے جو درجہ سابعہ (مساوی ایم اے سال اول) میں پڑھائی جاتی ہے۔

علم تفسیر کی تعلیم وتدریس کے ان چھ سالوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالئے اور خدمت قرآنی کی اس شبانہ روز محنت کو ذرا ایک نظر دیکھئے پھر اس نصاب کی تدریج اور درجہ بدرجہ سال بسال ترقی پر توجہ کیجئے حقیقت حال آشکارا ہوجائے گی اور خدمات تفسیر یہ کے حوالے سے اس نصاب کی نافعیت کھل کر سامنے آجائے گی، ان چھ سالوں میں پورا قرآن مجید اردو ترجمہ وتفسیر کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے اور دو اہم عربی تفسیریں بھی پڑھائی جاتی ہیں، ان کتب کے مدرسین (اساتذہ) حضرات سبق کی تیاری کیلئے کتنی تفاسیر کا مطالعہ کرتے ہیں اور کیسی کیسی محنتیں اور مشقتیں برداشت کرتے ہیں؟ اس کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جس نے اس ماحول میں کچھ دن گذارے ہوں۔

حدیث

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ اور فرمودات طیبہ علم دین کا دوسرا بڑا ماخذ ہیں اور فرامین وملفوظات کا یہ ذخیرہ ''علم حدیث'' کے نام سے مشہور ہے، درس نظامی کے اس نصاب میں علم حدیث کی تعلیم وتدریس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اس کی تعلیم درجہ ثانویہ (مساوی میٹرک) سے شروع ہوتی ہے اور بالآخر درجہ دورہ حدیث شریف تک یہ صدائے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشام جان کو معطر کرتی رہتی ہے، قلب ونظر کو تازگی اور ذہن کی پنہائیوں کو لامحدود وسعتیں فراہم کرتی رہتی ہے اور آخری سال تو حدیث شریف ہی کیلئے وقف ہوتا ہے۔

اس سات سالہ دور تعلیم میں حدیث شریف سے متعلق مختلف چھوٹی بڑی کتب زیر درس رہتی ہیں جن کے اسماء مبارکہ یہ ہیں:

(۱) صحیح بخاری شریف (۲) صحیح مسلم شریف (۳) سنن ابی داؤد (۴) سنن ترمذی
(۵) نسائی (۶) ابن ماجہ (۷) مؤطا امام مالک (۸) مؤطا امام محمد (۹) طحاوی (۱۰) مشکوٰۃ
(۱۱) مسند امام اعظم (ابوحنیفہ) (۱۲) کتاب الآثار (۱۳) ریاض الصالحین (۱۴) زاد الطالبین۔

ان کتب کے اسماء پر ایک سرسری نگاہ ڈالئے اور فیصلہ کیجئے کہ درس نظامی میں حدیث کی کتنی بڑی اور اہم خدمت سرانجام دی جارہی ہے اور یہ کہ حنفی حضرات حدیث پڑھتے ہیں یا نہیں؟

ع پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں

فقہ

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے عملی احکام کا استنباط و استخراج اور انہیں ایک مستقل ترتیب سے مرتب کرنے کا نام "فقہ" ہے، یہ علم اپنی ضرورت، اہمیت اور رزا کت کے لحاظ سے تمام علوم میں ایک مرکزی شان کا حامل ہے، اس سے تفسیر وحدیث کا مرتبہ کم کرنا مقصود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ علم فقہ کی ضرورت سب سے بڑھ کر ہے اور درحقیقت فقہ تو قرآن وحدیث کے عظیم علمی ذخیرہ سے نکالے ہوئے عملی مسائل کو ایک ترتیب سے جوڑنے ہی کا نام ہے، علم فقہ کی باقاعدہ تعلیم درجہ اولی (مساوی میٹرک سال اول) سے ہی شروع ہو جاتی ہے (بلکہ اس سے بھی پہلے تعلیم الاسلام، مالابدمنہ، فارسی اور بہشتی گوہر وغیرہ کتب پڑھائی جاتی ہیں) اور درجہ سابعہ تک جاری رہتی ہے۔

شامل نصاب عربی کتب کے اسماء یہ ہیں (۱) نورالایضاح (۲) قدوری شریف (۳) کنزالدقائق (۴) شرح الوقایہ ج ۳،۴ (۵) ہدایہ ۴ جلد مکمل۔

اصول فقہ

اصول فقہ کی اہمیت وضرورت کے پیش نظر درس نظامی میں ایک اہم نصاب اور ترتیب کے ساتھ یہ فن بھی پڑھایا جاتا ہے تاکہ فقہ کے مسائل صرف رٹنے پر ہی اکتفاء نہ ہو بلکہ علم فقہ کے ساتھ مناسبت، اس میں گہری بصیرت اور رسوخ کامل حاصل ہو، اس فن کے حصول کیلئے چار سال تدریجی طور پر کتب اصول پڑھائی جاتی ہیں جن کے اسماء یہ ہیں (۱) اصول الشاشی (۲) نورالانوار (۳) حسامی (۴) توضیح وتلویح۔

ادب عربی، نحو، صرف

عربی زبان سے واقفیت چونکہ اسلام کی حقیقی صورت اور اس کا مزاج ومذاق سمجھنے کیلئے ضروری ہے اسی وجہ سے دینی مدارس میں زیادہ زور عربی زبان وادب، اس کے اسالیب وتراکیب اور قواعد وضوابط سمجھانے پر صرف کیا جاتا ہے۔

عربی تحریر وتقریر، انشاء پردازی اور مضمون نگاری کے حوالے سے اس نصاب میں بڑا مواد موجود ہے، درجہ اولی (سال اول) سے ہی چھوٹی بڑی مختلف کتب پڑھائی جاتی ہیں جن میں بعض ابتدائی عربی اردو جملوں پر مشتمل ہیں تو بعض شعراء عرب کے بڑے نامور دیوان بھی ہیں۔

صرف ونحو کسی بھی زبان کی گرائمر ہوتی ہے اور گرائمر ہی زبان دانی کیلئے معیار ہوتی ہے، صرف کو اسی لئے ام العلوم کہا جاتا ہے اور نحو کو اب العلوم، درس نظامی میں ان دونوں علوم کو اہتمام اور توجہ سے پڑھا

اور پڑھایا جاتا ہے، کیونکہ اگر صرف ونحو میں کمی یا کمزوری رہ جائے تو فہم دین کے حقیقی مقاصد کا حصول ناممکن اور اس کی خواہش خواب وخیال ثابت ہوتی ہے، اسی اہمیت کے پیش نظر صرف کی تعلیم دو سال کے دورانیے پر مشتمل ہے اور نحو کی تعلیم چار سال کے دورانیے پر مشتمل ہے۔

اسی طرح فن منطق تین سال کے دورانیے پر اور بلاغت دو سال کے دورانیے پر مشتمل ہے۔

عصری علوم

جہاں تک مدارس میں عصری علوم کی ضرورت کی بات ہے تو یقیناً ایسے بہت سے عصری علوم ہیں جن سے واقفیت مدارس دینیہ کے طلباء کیلئے بڑی اہمیت رکھتی ہے مثلاً جغرافیہ، حساب، انگریزی، معاشیات، نفسیات، کمپیوٹر وغیرہ وغیرہ۔

آج کے اس دور میں عصری علوم سے ناواقف رہ کر دین کی خدمت کا تصور یقیناً اہم سوال ہے، علوم عصریہ کی معیاری تعلیم کیلئے ابتداءً ہی تین سال کے دورانیے پر مشتمل ایک نہایت مؤثر نصاب ہے جس میں اردو، فارسی، معاشرتی علوم، جنرل سائنس، ریاضی اور انگلش نیز تحسین خط پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے اور متوسط (مساوی مڈل) سال سوم کا باقاعدہ امتحان خود وفاق لیتا ہے۔

ان کے علاوہ دیگر فنون کی تعلیم بھی شامل نصاب ہے جن کے تعارفی مطالعہ یا ابتدائی معلومات پر مشتمل نصاب میں ایک بڑا حصہ موجود ہے اور مختلف درجات میں ان کی چھوٹی بڑی کتب زیر درس ہیں۔

طریقۂ تدریس

مذکورہ علوم وفنون کی تعلیم وتدریس کیلئے ایک نہایت مؤثر نظام ہے جو انتہائی انضباط اور اہتمام کے ساتھ مصروف عمل ہے، صبح آٹھ بجے سے بارہ بجے تک چار گھنٹے اور ظہر تا عصر دو گھنٹے تک اسباق پڑھائے جاتے ہیں، مغرب کے بعد طلباء کرام مطالعہ اور عشاء کے بعد آموختہ یاد کرنے، لکھنے اور آپس میں تکرار کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، بہت سے طلباء واساتذہ رات گئے تک مطالعہ وتحقیق میں مصروف رہتے ہیں اور انتہائی محنت، توجہ اور لگن کے ساتھ ان مذکورہ علوم وفنون میں قابلیت اور مضبوط استعداد کے حصول میں فکرمند نظر آتے ہیں۔

اللہ جل شانہ ہمارے اکابر رحمہم اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے نہایت عرق ریزی اور طویل تدریسی تجربات کے بعد ہمارے لئے یہ نصاب تجویز فرمایا، اس نصاب کو چابی سے تشبیہ دی جاتی ہے اور بالکل صحیح تشبیہ ہے کہ جیسے چابی بڑے بڑے تالوں کو کھولنے کا ذریعہ ہے اسی طرح یہ نصاب بھی بڑے

بڑے علوم تک پہنچنے کیلئے وسیلہ اور واسطہ ہے۔

اس نصاب درس نظامی میں ذکر کردہ علوم وفنون کی تعداد بیس کے لگ بھگ ہے، نصاب کو محنت سے پڑھنے کے بعد جس فن میں بھی تخصص کیا جائے راستہ کھلا ہے، ہر فن سے متعلق چھوٹی بڑی کتب موجود ہیں اور چابی طالب علم کے ہاتھ میں ہے۔

مدارس اسلامیہ کی علمی خدمات اور ان کے نصاب درس نظامی کا یہ مختصر سا تعارف آپ کے سامنے ہے، اسی سے مدارس کے اہداف ومقاصد کا تعین بآسانی ہوسکتا ہے، آج جبکہ تعلیم وتعلم پر انفرادی اور اجتماعی طور پر بہت سا سرمایہ خرچ کیا جارہا ہے، حکومتیں وزارتِ تعلیم کے حوالے سے بڑے بڑے بجٹ اس کام کیلئے مختص کررہی ہیں، طلباء حصول تعلیم کے علاوہ امتحانات اور دارالاقامہ (ہاسٹل) یا ٹرانسپورٹ کے اخراجات برداشت کررہے ہیں اور ایک ایک ڈپلومہ یا کورس کیلئے ہزاروں لاکھوں روپے پانی کی طرح بہادیئے جاتے ہیں ان حالات میں اہل مدارس کا ملک عزیز کے ۱۵ لاکھ بچوں کو بغیر کسی فیس کے تعلیم دینا دین اسلام کا ایک کھلا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟ مدارس حکومت سے فنڈ زنہیں لیتے، ملک کے عوام مدارس کے ساتھ تعاون کرتے ہیں جس سے یہ سارا نظام بحمداللہ وبتوفیقہٖ چل رہا ہے، مدارس کی طرف سے مفت کھانا، مفت رہائش اور مفت کتب فراہم کی جاتی ہیں، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ آج ہر طرح کی این جی اوز کو کھلی چھٹی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں، فحاشی، عریانی پھیلانے کیلئے انہیں جو فنڈ ز ملتے ہیں ان پر بھی کوئی پابندی نہیں لیکن مدارس کے حوالے سے کبھی چندہ دینے والوں کو ہراساں کیا جاتا ہے اور کبھی طلباء کو بلاوجہ تنگ کیا جاتا ہے، آئے روز ایجنسیوں والے مدارس میں آکر انتظامیہ کا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں فالی اللہ المشتکی۔

چار سالہ درس نظامی کورس برائے طالبات

اسلامی علوم کی طرف خواتین کے بڑھتے ہوئے رجحان کے پیش نظر وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے مدارس بنات کیلئے ایک چار سالہ نصاب مرتب کیا، ہر سال ایک درجہ کا امتحان ہوتا ہے، طالبات کے دینی علوم کا نصاب چار مراحل (عامہ، خاصہ، عالیہ، عالمیہ) پر مشتمل ہے، اس نصاب میں بھی مذکورہ علوم وفنون تفسیر، حدیث، فقہ، صرف ونحو وغیرہ شامل ہیں، اس نصاب کی مقبولیت کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد وشمار سے بخوبی ہوسکتا ہے جو مدارس بنات کے حوالے سے ایک رپورٹ میں مدیر ماہنامہ وفاق المدارس ملتان نے اپنے اداریہ میں پیش کی۔

طالبات کے دینی علوم کا نصاب چار مراحل (عامہ، خاصہ، عالیہ، عالمیہ) پر مشتمل ہے، وفاق المدارس

کے تحت تعلیمی سال کے پہلے مرحلے عامہ کا امتحان ۱۴۱۰ھ کو ہوا جس میں ملک بھر سے ۴۰۳ طالبات شریک ہوئیں اور اس سال یعنی ۱۴۲۷ھ کو اس مرحلے سے امتحان میں شریک ہونے والی طالبات کی تعداد بائیس ہزار پچھتر ہے، وفاق کے تحت دوسرے مرحلے یعنی خاصہ کا امتحان ۱۴۱۲ھ کو منعقد ہوا جس میں نوے طالبات نے شرکت کی اور اس سال اس مرحلے سے چودہ ہزار تین سوانیس طالبات شریک ہو رہی ہیں، نصاب تعلیم کے تیسرے مرحلے عالیہ کا امتحان وفاق کے تحت ۱۴۱۴ھ کو پہلی بار منعقد ہوا جس میں شریک ہونے والی طالبات کی تعداد ۱۹۳ تھی اور اس سال یہ تعداد دس ہزار آٹھ سو انسٹھ ہے، آخری مرحلے یعنی عالمیہ کا امتحان بھی ۱۴۱۴ھ کو پہلی مرتبہ ہوا جس میں ۱۹۷ طالبات شریک ہوئیں اور اس سال دینی علوم سے فراغت حاصل کرنے والی طالبات کی تعداد آٹھ ہزار پانچ سو سینتالیس ہے، وفاق المدارس سے فاضل ہونے والی طالبات کی اب تک کی کل تعداد سینتیس ہزار آٹھ سو ساٹھ (۳۷۸۶۰) ہے اور مختلف مراحل ملا کر امتحان دینے والی طالبات کی تعداد دو لاکھ ننانوے ہزار دو سو پچھتر ہے (کرنیں ص ۴۰۳ بحوالہ ماہنامہ وفاق المدارس ملتان شمارہ ۸ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ)

قارئین غور فرمائیں کہ ۱۴۱۰ھ میں امتحان دینے والی طالبات کی تعداد ۴۰۳ تھی اور صرف سترہ سال کی مجموعی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہو کر تین لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہے۔

وفات حسرت آیات

مورخہ ۲۲/ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ بروز اتوار رات چار بجے اطلاع موصول ہوئی کہ ہمارے استاذ مکرم عارف باللہ حضرت مولانا دوست محمد رحمۃ اللہ علیہ عرصہ دراز علیل رہنے کے بعد رات دو بجے خالق حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون ع تم کیا گئے کہ رونق ہستی چلی گئی

حضرت نے حدیث شریف علامہ محمد یوسف بنوری، علامہ بدر عالم میرٹھی، علامہ عبدالرحمٰن کیملپوری، مفتی اشفاق الرحمٰن کاندھلوی محشی موطا امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ سے پڑھی، زہے نصیب۔

پھر سالہا سال تک باغوالی مسجد ماڈل ٹاؤن فیصل آباد میں فرائض امامت سرانجام دیتے رہے اور دعوت وتبلیغ کیلئے شب و روز مصروف رہے، اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کے پسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے اور رمضان المبارک کی موت اور بیماری کی وجہ سے شہادت کی موت آپ کیلئے بلندی درجات کا سبب بنائے، آمین۔ (مرسلہ مولانا محمد اعظم ہاشمی مدرسہ تعلیم الاسلام سنت پورہ فیصل آباد)

حافظ محمد سمیع اللہ فراز صاحب

تزکیۂ نفس (قسط ۱)

انسان، جسم اور روح سے مرکب ہے، جس طرح جسمانی نقائص یا بیماریوں کی درستگی کیلئے طبی ذرائع استعمال کرنا انسانی جسم کی بقا کے لیے لازمی ہے اسی طرح روحانی نقائص یا بیماریوں کا علاج بھی انسانی جسم کی بقا کا راز ہے، روح اور جسم میں سے اگر صرف ایک کی صحت و درستگی پر توجہ دی جائے تو یہ بھی تباہی کا سبب ہے۔

ان دونوں عناصر میں سے جسمانی نقائص کا علاج نسبۃً آسان ہے کیونکہ اس میں تشخیص مرض باآسانی ممکن ہے جبکہ روح کی بیماری کی تشخیص اور اس کا علاج اس سے قدرے مشکل ہوتا ہے، تصوف کی زبان میں اس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ جسمانیت کی درستگی شریعت پر موقوف ہے جبکہ روحانیت کی درستگی طریقت پر، شریعت ہمارے ظاہری اعمال و کردار کا حسن جبکہ طریقت ہمارے باطنی نقائص کی تطہیر کا ذریعہ ہے، باطنی تطہیر کو تزکیۂ نفس کہتے ہیں۔

تزکیہ کا معنی

ز ك ی سے مرکب لفظ زکی کا معنی ہے اخلاقِ رذیلہ سے پاکیزگی و صفائی، امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ”شرائع اسلامی پر عمل پیرا ہو کر نامناسب نفسانی خواہشات کے پیدا ہونے کی صلاحیت کو ختم کرنا تزکیہ کہلاتا ہے“ چنانچہ نفس کی اس صلاحیت کو ہی ختم کردینا کہ وہ غیر فطری و غیر شرعی خواہشات پیدا کرے تزکیہ کہلاتا ہے۔ پہلے ہم نفس کی حقیقت پر غور کرتے ہیں۔

نفس اور اس کی اقسام

نفس انسان کے اندر ایک ایسی قوت ہے جس کی مدد سے خواہش کا ظہور ہوتا ہے، یہ خواہش اچھی بھی ہوسکتی ہے اور بری بھی، اگر نفس شر کی خواہش کرے اور نادم بھی نہ ہو تو اس کو نفسِ امارہ کہتے ہیں، اگر نفس خواہش تو شر اور برائی کی کرے تاہم خوفِ خدا کی وجہ سے اس پر نادم بھی ہو تو اس وقت یہ نفسِ لوامہ کہلاتا ہے، لیکن اگر نفس میں پیدا ہونے والی خواہش بھلائی یا خیر کی ہو تو اس وقت اس کو نفسِ مطمئنہ کہتے ہیں۔ غرض دونوں قسم کی خواہشات کا پیدا ہونا ممکن ہے فَالھمھا فجورھا و تقوٰھا اسی طرح فرمایا فمن شاء فلیؤمن وّ من شاء فلیکفر گویا انسان کو عقلِ سلیم کی نعمت دی گئی تا کہ یہ غلط اور صحیح کا ادراک کرے پھر انسانی نفس کو اس قدر اختیار دیا گیا کہ وہ اس کو پہچاننے کے بعد ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے۔

نفس کا محرک قلب یعنی دل ہے، اسی کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار انسانی جسم میں ایک ٹکڑا ایسا ہے جس کے درست رہنے سے سارا جسم درست رہتا ہے جبکہ اس کے بگڑنے سے سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور وہ دل ہے، اس دل کے پیدا شدہ احساسات کو اخلاق کہتے ہیں، اگر تو یہ احساسات روحانی بیماریوں کے سبب شیطانی وساوس و خیالات کا مجموعہ ہیں تو یہ اخلاقِ رذیلہ ہیں اور اگر یہ احساسات روح کی پاکیزگی کے سبب خدا خوفی سے لبریز ہیں تو اخلاقِ حمیدہ کہلاتے ہیں۔

سیرت کیا ہے؟

اخلاقِ حمیدہ کو سیرت کا نام بھی دیا جاتا ہے کیونکہ ظاہر و باطن کی طرح انسانی کردار کی عکاسی کرنے کیلئے بھی دو چیزیں ہیں پہلی صورت اور دوسری سیرت، اخلاقِ حمیدہ یا سیرت کو اللہ تعالیٰ نے چار باطنی اعضاء واجزاء مرحمت فرمائے ہیں (۱) قوتِ علم (۲) قوت غضب (۳) قوت شہوت (۴) قوت عدل، جب یہ چاروں قوتیں حدِ اعتدال پر ہوں تو اس وقت انسان کو حُسنِ الخُلق یعنی خوب سیرت کہا جائے گا۔

سیرت کے مراتب

جس طرح حسنِ ظاہری میں کمی وبیشی ہوتی ہے کہ کوئی زیادہ خوبصورت ہوتا ہے اور کوئی کم اسی طرح باطنی سیرت میں بھی لوگ متفاوت ہوتے ہیں، سب سے زیادہ خوب سیرت تو سرورِ عالم سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے کہ جن کے بارے میں انّك لعلی خلق عظیم کہا گیا، اب آپ کے بعد جس مسلمان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے ساتھ جس قدر مناسبت ہوگی اسی قدر اس کو حسین سیرت کہا جائے گا۔

دل کی اصلاح ہی دراصل نفسانی سیرت کا بنیادی ذریعہ ہے، سیرت کے پیکر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چار بنیادی مقاصد حسب ذیل تھے:

(۱) تلاوتِ آیات (۲) تزکیہ (۳) تعلیم کتاب (۴) تعلیم حکمت لقد منّ اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا مّن انفسھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکّیھم ویعلّمھم الکتاب والحکمۃ (آل عمران)

تزکیۂ نفس کیلئے اخلاقِ رذیلہ سے واقفیت انتہائی ضروری ہے تاکہ ان سے مکمل اجتناب کے بعد دل کی اصلاح ممکن ہو اور تزکیہ کے اعلیٰ مراتب کا حصول ہو سکے، کبیرہ گناہوں سے ہر لحظہ بچنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے اس کے ساتھ ساتھ صغائر سے حتی الوسع اجتناب تزکیۂ نفس کے حصول کو انتہائی آسان بنا دیتا ہے، اختصار کے ساتھ چند رذائل اور مذموم اخلاق کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جو طہارتِ قلب میں بڑی رکاوٹ ہیں۔

(۱) تکبر

تزکیۂ نفس میں پہلی رکاوٹ تکبر ہے، تکبر کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو صفاتِ کمالیہ میں دوسروں سے زیادہ سمجھے، ظاہر ہے کہ جب انسان کا اپنے بارے میں ایسا گمان ہو تو نفس اس پر اِتراتا ہے اور اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں، چونکہ کبریائی صرف اور صرف حق تعالیٰ کا خاصہ ہے ولہ الکبریاء فی السمٰوٰت والارض اور انسان ضعیف البنیان ہے بایں وجہ تکبر کرنا گویا صفتِ ربانی میں شراکت کرنا ہے جو کہ انسان کو اللہ رب العزت کے نزدیک حقیر ترین بنادیتا ہے، فرمانِ خداوندی ہے انّ الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنّم داخرین جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

تزکیۂ نفس کے حصول کیلئے تکبر سے اجتناب کیا جانا چاہیے، عموماً چار باتوں میں انسان کو تکبر ہوتا ہے علم وتقویٰ، حسب ونسب اور مال وجمال۔

جس علم سے تکبر پیدا ہو وہ علم جہالت سے بھی بدتر ہے کیونکہ حقیقی علم جس قدر بڑھتا جائے گا خوفِ خدا اور خشیت الٰہی میں اسی قدر اضافہ ہوگا، اب ہمارے لئے یہ معیار ہے کہ ہم کوئی بھی علم حاصل کر رہے ہوں خواہ دینی یا دنیوی اگر اس کے حصول کے بعد ہماری للٰہیت اور خشیت میں اضافہ ہو رہا ہے تو یہ یقیناً نفع بخش ہے لیکن اگر اس کے برعکس ہم میں سے خوفِ خدا معدوم ہو رہا ہے اور تکبر کا ذریعہ بن رہا ہے تو اس کو علم کہنا ہی مناسب نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت حذیفہؓ امامت کروا رہے تھے، نماز مکمل کی تو کہا ساتھیو! اپنے لئے کوئی دوسرا امام تلاش کرلو میں امامت کے لائق نہیں ہوں کیونکہ اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ چونکہ ساری جماعت میں میرے برابر کوئی شخص نہیں لہذا مجھے ہی امام تجویز کیا گیا (تبلیغ دین امام غزالی)

حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین قسم کے آدمی ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ شفقت کا کلام اور ان کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائیں گے اور انہیں دردناک عذاب ہوگا، ایک بوڑھا زانی، دوسرا جھوٹا بادشاہ اور تیسرا متکبر (تنبیہ الغافلین)

ایک متکبر آدمی جو اکڑ کر چل رہا تھا ایک بزرگ آدمی نے اس سے کہہ دیا کہ اکڑ کر مت چلو، وہ غصہ سے بولا کہ کیا تم مجھے نہیں جانتے؟ تو فرمایا جانتا ہوں تمہارا تعارف یہ ہے کہ اوّلك قطرۃ واخرك جیفۃ وانت تحمل بینھما قذرۃ تیری ابتداء غلیظ ترین وناپاک قطرہ سے ہوئی، انتہاء میں تو ایک

مردار ہے، ان دونوں حالتوں کے درمیان اپنے پیٹ میں گندگی اٹھائے پھرتا ہے۔

ایسی حالت میں انسان کو اپنی اصلیت پر غور کر لینا چاہیے۔

(۲) خود پسندی

تزکیۂ نفس کے حصول میں دوسری بڑی رکاوٹ خود پسندی اور عُجب ہے، خود پسندی بھی تکبر کی ایک شاخ ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ تکبر میں دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں اپنے نفس کو بڑا خیال کیا جاتا ہے جبکہ خود پسندی میں دوسروں کی ضرورت نہیں بلکہ اپنے نفس کو اپنے خیال میں کامل سمجھ لینا، اپنی عبادت پر یہ خیال کرنا کہ میں کس قدر زاہد و عابد ہوں، خدائی نعمتوں کو اپنا کمال سمجھنا اور ان کے زوال سے بے خوف ہو جانا خود پسندی اور عُجب کہلاتا ہے۔

اس کا علاج یہی ہے کہ ہر لمحہ یہ خیال دل میں رہے کہ میری عبادت بلاتوفیق ربانی ممکن ہی نہ تھی اور مجھے ملنے والی نعمتوں کا میں مستحق نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم کی وجہ سے مجھے یہ سب کچھ عنایت فرمایا، اگر ایسا خیال پیدا ہو تو خشیت میں اضافہ ہوگا اور اسی کی وجہ سے عُجب یا خود پسندی کا خاتمہ ہوگا، خود پسندی کا خاتمہ تزکیۂ نفس کے حصول کا نہایت اہم ذریعہ ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو اگر خطبہ کے دوران عُجب کا شبہ ہو جاتا تو اپنی بات وہیں ختم کر دیتے یا کسی تحریر میں ایسا ہوتا تو اسے پھاڑ دیتے اور یہ دعا پڑھتے اللّٰھُمَّ انّی اعوذ بك من شرّ نفسی اے اللہ! اپنے نفس کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

(۳) ریاکاری

اس میں تیسری رکاوٹ ریا اور نمود و نمائش ہے، ریا کی اصلیت یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی عبادت اور عمل خیر کی بدولت وقعت و منزلت کا خواہاں ہو جبکہ یہ کام عبادت کے مقصود کے بالکل خلاف ہے کیونکہ عبادت سے مقصود حق تعالیٰ کی رضامندی ہے اب چونکہ اس مقصود میں دوسرا شریک ہو گیا تو اس کو شرک اصغر کا نام دیا گیا۔

ریاکاری نفس کی پاکیزگی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے کہ کوئی بھی عمل اس لئے نہ کیا جائے کہ اس سے اخروی مقام و مرتبہ مقصود ہو بلکہ عارضی مقام حاصل کرنے کے لئے، لوگوں کو دکھانے کے لئے عبادت میں خشوع پیدا کیا جائے، اس سے دل پاکیزہ و خاشع ہونے کی بجائے تکبر و خود پسندی کا محور ہوگا۔

(جاری ہے)

یادرفتگاں فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی قدس سرہ

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را گاہے گاہے بازخواں ایں قصۂ پارینہ را

آپ حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۶۷ھ) صدر مدرس مدرسہ عالیہ دہلی کے صاحبزادہ ہیں والد محترم اپنے زمانہ کے زبردست عالم علوم عقلیہ ونقلیہ میں ماہر اور استاذ الکل تھے یہاں تک کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے بھی وہ استاذ گرامی تھے۔

سلسلۂ نسب : آپ قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور کے صدیقی شیخ ہیں آپ کا شجرہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے، چھٹی پشت میں آپ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے جدامجد ایک ہی ہو جاتے ہیں اور آپ دونوں ہم زلف بھی ہوتے ہیں۔

نانوتہ میں وطن کی ابتداء: مولانا کے جدامجد قاضی مظہر الدین رحمہ اللہ ۸۷۱ھ میں سکندر لودھی کے زمانہ میں سمرقند سے آئے جن کو سکندر لودھی نے دہلی کا قاضی بنایا اوران کے بیٹے میراں بڑے کو نانوتہ کا قاضی بنایا، بحکم شاہی میراں بڑے نے نانوتہ میں رہائش اختیار کی، یہ میراں بڑے مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ اور مولانا محمد یعقوب صاحب سے تیرہویں پشت میں بزرگ ہیں۔

پیدائش: اس جامع کمالات ہستی نے اس قصبہ نانوتہ کی سرزمین کو اپنی پیدائش کا شرف بخشا اور ۱۳ر صفر ۱۲۴۹ھ میں آپ پیدا ہوئے مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ کی پیدائش ۱۲۴۸ھ میں ہوئی ہے۔

ابتدائی تعلیم: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید حفظ اور ابتدائی فارسی وغیرہ تعلیم نانوتہ ہی میں حاصل کی تھی اس کے بعد پھر اپنے والد ماجد کے ہمراہ تعلیم حاصل کرنے کیلئے دہلی گئے اور مدرسہ عالیہ میں داخلہ لیا، والد محترم جناب مولانا مملوک علی صاحب جب ذوالحجہ ۱۲۵۹ھ میں بموقع تعطیل دہلی سے نانوتہ تشریف لائے تو واپسی پر آپ کو بھی اپنے ہمراہ تعلیم کیلئے دہلی لے گئے اور مدرسہ عالیہ میں ۴ر محرم ۱۲۶۰ھ سے میزان اور گلستان سے تعلیم کا آغاز کیا، تمام کتب معقول ومنقول اپنے والد ماجد سے پڑھیں البتہ علم حدیث مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری محشی بخاری سے بھی پڑھا، حضرت شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی اور مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری دونوں شاگرد ہیں حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ کے اور یہی دونوں حضرات استاذ حدیث ہیں مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے بھی۔

ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ: تحصیل علم کے بعد پہلے آپ اجمیر میں ملازم ہوکر تشریف لے گئے، اجمیر کے پرنسپل نے آپ کی ذکاوت وذہانت دیکھ کر گورنمنٹ میں سفارش کی اور ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ منظور کرایا لیکن آپ نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کردیا پھر آپ ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدہ پر بمشاہرہ ڈیڑھ سو روپے مقرر ہوگئے تھے کچھ عرصہ کے بعد ۱۸۵۷ء کا قصہ پیش آیا، آپ اپنے گھر رہے، ہنگامہ فروہونے کے بعد چھ مہینے کی تنخواہ آپ کو گورنمنٹ سے بھیجی گئی۔

مثالی تقوی: لیکن آپ نے اس کے لینے سے انکار کردیا کہ میں نے ان دنوں میں کچھ کام ہی نہیں کیا تنخواہ کیوں لوں، چنانچہ نوسو روپے واپس کردیے، یہ مولانا کا انتہائی تقوی تھا ورنہ اس کے جواز میں کیا کلام تھا۔

دارالعلوم دیوبند کی صدر مدرسی: محرم ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم کی بنیاد قائم ہوچکی تھی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے ارشاد سے اس خدمت کو ایک اسلامی خدمت سمجھ کر ۱۲۸۳ھ کے آخر میں دارالعلوم تشریف لے آئے اور نہایت قلیل مشاہرہ بیس روپے پر صدر مدرس قرار پائے۔

آپ چونکہ جامع العلوم والفنون مشاہیر زمانہ میں سے ہونے کے ساتھ ایک صاحب قوت قدسیہ بزرگ بھی تھے اس لئے آپ کے وجود باجود سے دارالعلوم میں ایک تازہ روح آ گئی اور مدرسہ اور طلبہ کو قابل فخر فیوض وبرکات حاصل ہوئے۔ مولانا ممدوح خود بھی ایک نمونہ سلف جامع العلوم صاحب شریعت وطریقت بزرگ تھے اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے ہمعصر اور جانشین سمجھے جاتے تھے، مگر چونکہ آپ کا قیام اپنے وطن نانوتہ میں تھا اس لئے ہروقت ہر معاملے میں شریک حال نہیں رہ سکتے تھے، مولانا محمد یعقوب صاحب کی ذات بابرکات سے کلی وجزوی ہر قسم کے امور میں نہایت قوی مدد مدرسہ کو پہنچتی تھی اور ہر قسم کے فیوض وبرکات سے متمتع ہوتا رہتا تھا، آپ نے ۱۳۰۲ھ تک یعنی حیات کے آخری لمحات تک دارالعلوم کی مسند صدارت کو تقریباً اٹھارہ سال تک زینت بخشی اور آپ اس اٹھارہ سال کے عرصہ میں دارالعلوم سے تعلیم حاصل کرنے واستفادہ کرنے والوں اور فارغ ہونے والوں کے استاذ گرامی ہیں۔ ۱۳۰۱ھ تک دارالعلوم کا جو چوتھا جلسہ دستاربندی ہوا تھا اس میں جن دس فارغین علماء کرام کی دستاربندی کی گئی تھی ان میں خصوصیت سے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمہما اللہ قابل ذکر ہیں۔

دارالعلوم کے پہلے مفتی: آپ دارالعلوم کے فتاویٰ بھی تحریر فرماتے تھے جب اس میں آپ کا بہت وقت صرف ہونے لگا تو ارباب شوری نے آپ کو کارتعلیم سے سبکدوش کرکے فتاویٰ کی اہم خدمت کیلئے مقرر کردیا مگر تبرکاً مختصر کارتعلیم پھر بھی آپ کے ذمہ رہا۔ (جاری ہے)

خواتین کا صفحہ

مفتی محمد عبداللہ صاحب چنیوٹ

شیخی بگھارنا اور اس کا علاج

شیخی بگھارنا بعض عورتوں کی طبیعت میں داخل ہے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، بات کرنے حتی کہ زیور ولباس پہننے میں اس برائی کا ارتکاب ہوتا ہے خصوصا جب کہیں جانا ہوتو ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ پہلے سے مردوں اور عورتوں کو اپنی آمد کی اطلاع کی جاتی ہے، پھر وہاں پہنچ کر ایسی نمایاں جگہ براجمان ہوتی ہیں کہ ان پر سب کی نظر پڑتی رہے، ہاتھ، کان، گلا کسی نہ کسی بہانے مثلاً گرمی وغیرہ کے بہانے سے کھول کر ضرور دکھاتی ہیں، اور اگر عورت کچھ مہذب ہو اور کچھ دینی یا دنیاوی تعلیم حاصل کی ہوئی ہو، دکھاوے اور شیخی کی مذمت و برائی اس کو یاد ہو تو خدا سلامت رکھے ان کے باریک کپڑے بلا ارادہ ہی سب زیب و زینت اور بناؤ سنگھار دکھا دیتے ہیں اور کھجلی کے بہانے کان خود دکھا ہی دیتی ہیں۔

اس کی حقیقت حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے یہ لکھی ہے کہ عورتوں کو شیخی کے دو موقعے ملتے ہیں ایک خوشی کا دوسرا غمی کا، انہی دو موقعوں میں اجتماع ہوتا ہے حالانکہ بلاضرورت شرعیہ ان کا اجتماع مناسب نہیں ہے، اس موقع پر مردوں کیلئے یہ مشورہ ہے کہ ان کو شیخی سے بچانے کی یہ ترکیب اختیار کریں کہ عورتوں کو یہ مت کہیں کہ جمع نہ ہوں یہ تو مشکل ہے، مگر یہ طریقہ کریں کہ کہیں جاتے وقت کپڑے نہ بدلنے دیں اور مجبور کریں کہ کپڑے نہ بدلنے پائیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ گھر میں تو بھنگنوں اور نوکرانیوں کے طرح رہیں اور ڈولی آتے ہی بن سنور کر بیگم صاحبہ بن جائیں، ہر چیز کی کوئی غرض وغایت ہوتی ہے، ان سے پوچھو کہ اچھے کپڑے پہننے کی غرض وغایت کیا صرف غیروں کو دکھانا ہی ہے، تعجب ہے کہ جس کے واسطے یہ کپڑا بنا اور جس کے دام لگے اس کے سامنے تو کبھی نہ پہنا جائے اور غیروں کے سامنے پہنا جائے۔

حیرت ہے کہ خاوند سے کبھی سیدھے منہ نہ بولی، کبھی اچھا کپڑا اس کے سامنے نہ پہنا اور دوسروں کے گھر جائے تو شیریں زبان بھی بن جائے اور کپڑے بھی ایک سے ایک بڑھے چڑھے پہن کر جائے، کام آویں غیروں کے اور دام لگیں خاوند کے، یہ کیا انصاف ہے؟

(ماخوذ از وعظ دواء العیوب)

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

قانون وراثت سے متعلق پاک وہند کے جید علماء کرام و مشائخ عظام رحمہم اللہ کے

متفقہ فتویٰ کا پس منظر

پنجاب میں قانون وراثت عام رواج کے مطابق تھا جس کی بنا پر بیٹی اور بہن کو وراثت سے محروم کردیا جاتا تھا، چونکہ یہ قانون شریعت اسلامیہ کے صریح خلاف تھا اس لئے اس کے تبدیل کرانے کیلئے حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے 1925ء میں تحریک چلائی اور اس کیلئے احقر کے جدامجد حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کو دومرتبہ پنجاب کے سفر کیلئے بھیجا، دوسری مرتبہ کے سفر میں حضرت مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونی رحمہ اللہ بھی ان کے ہمراہ تھے سفر پنجاب کے علاوہ حضرت جدامجد رحمہ اللہ نے ایک رسالہ ''غصب المیراث'' بھی اس موضوع پر لکھا اور ایک فتویٰ ''ظلم پنجاب کے متعلق خدائی وصیت'' کے نام سے دس ہزار کی تعداد میں شائع فرمایا، بحمداللہ تعالیٰ اس جد وجہد کا بہت فائدہ ہوا اور بہت سے مسلمانوں نے مروجہ رسم ورواج کو چھوڑ کر شریعت کے حکم پر عمل شروع کردیا۔

پاکستان بننے کے بعد 1949ء میں پنجاب اسمبلی نے جو قانون وراثت منظور کیا اگر چہ اس میں بہن، بیٹی کے حق وراثت کو قانونی طور پر تسلیم کرلیا گیا لیکن عملی طور پر اب تک اس میں بے حد کوتاہی کا سلسلہ جاری ہے اس لئے بڑی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کیا جائے، اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ادارہ اشرف البیان نے جہاں رسالہ ''غصب المیراث'' الگ شائع کیا وہیں اس مسئلہ سے متعلق پاک وہند کے جید علماء کرام و مشائخ عظام کا وہ متفقہ فتویٰ جس پر اس دور کے جید علماء کرام اور مشائخ عظام کی تصدیق ثبت ہے بھی مفت تقسیم کے لئے الگ شائع کردیا ہے۔ یہ فتویٰ پہلی مرتبہ ۱۳۴۳ھ بمطابق 1925ء میں رسالہ ''غصب المیراث'' کے ساتھ شائع ہوا تھا لیکن جیسے آج سے اسی سال قبل اس کی جتنی ضرورت تھی آج بھی اس کی اتنی ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ ضرورت اور اہمیت اظہر من الشمس ہے، امید ہے کہ قارئین اس کی اشاعت میں خاص دلچسپی کا مظاہرہ کریں گے، خدا تعالیٰ اس کے نفع کو عام وتام فرمائیں اور مسلمانوں کی ہدایت کا سبب بنائیں، آمین تفصیل کے لئے رسالہ ''غصب المیراث'' کو ملاحظہ فرمانا ضروری ہے جو ادارہ ''اشرف البیان'' سے دستیاب ہے۔ قارئین الحقانیہ کیلئے یہ فتویٰ اس شمارہ میں بھی شائع کیا جارہا ہے۔

قانون وراثت سے متعلق پاک وہند کے جید علماء کرام ومشائخ عظام رحمہم اللہ کا

متفقہ فتویٰ

استفتاء

پنجاب میں قانون وراثت رواج عام کے مطابق ہے جس میں دختر وغیرہ وارثان شرعیہ کو محروم الارث قرار دیا گیا ہے، پس اس قانون کی حمایت کرنا، اس کو قولاً، فعلاً، سکوتاً تسلیم کرنا کیسا ہے؟

السائل احقر عبدالکریم گمتھلوی مسجد اسٹیشن راجپورہ ریاست پٹیالہ

(۱) فتویٰ حضرت حکیم الامت مولانا الحافظ الحاج **المولوی محمد اشرف علی** صاحب تھانوی دامت برکاتہم

اس رواج کا باطل ومنکر ہونا اور توریث بنات وغیرہا نص قطعی سے ثابت ہے، ان کی مخالفت اگر اعتقاداً ہے تو کفر ہے اور عملاً ہے تو اشد درجہ کا فسق ہے پس اس باب میں عقیدہ کی درستی اور عمل کی اصلاح تو یقیناً فرض ہے اور ابطال باطل وازالۂ منکر قادر پر فرض ہے لہٰذا سکوت بھی حرام ہوگا اور تسلیم کرنا تو اس سے اشد ہے اور حمایت کرنا سب سے بڑھ کر اشنع واقبح ہے، ھذا کلہ ظاھر۔

کتبہ اشرف علی تھانوی

ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اس باطل اور حرام رواج کے قلع قمع میں کوشش کرے، امید کہ علماء کرام اس فریضہ اسلامی کی طرف تقریراً وتحریراً ضرور توجہ دلائیں گے۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

(۲) تحریر مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور مع دستخط حضرت مولانا الحافظ **المولوی خلیل احمد** صاحب مدظلہم العالی

اگر کوئی صاحب میراث (کے قانون شرعی) کا انکار کرے تو نصوص قطعیہ کا انکار ہوگا اور معلوم ہے کہ قرآن پاک اور احکام قطعیہ کا منکر کون ہوتا ہے؟ اس سے زائد کیا کہا جا سکتا ہے۔

کتبہ الاحقر عبداللطیف عفا اللہ عنہ مدرس (اول) مدرسہ موصوفہ

اس قانون کی مخالفت واجب ہے۔ رقمہ ضیاء احمد

الجواب صحیح خلیل احمد عفی عنہ (ناظم مدرسہ موصوفہ)

صح الجواب عنایت الٰہی مہتمم مدرسہ

الجواب صحیح بندہ عبدالرحمٰن (کامل پوری) عفی عنہ (مدرس مدرسہ)

(۳) تحریر مدرسہ عالیہ دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور

اس باطل وحرام رواج عام کے مرتکب اور مجوز اور معاون اور باقی رکھنے والے اور اس پر (عملاً) اصرار کرنے والے ظالم و عاصی ہیں (اور اس فرض قطعی کے انکار کا کفر ہونا تو ظاہر ہے) اور مؤاخذہ حق العباد کا ان کی گردن پر رہے گا تاوقتیکہ وہ صاحب حقوق کے حقوق ادا نہ کریں گے۔

کتبہ مسعود احمد

الجواب صحیح عزیز الرحمٰن مفتی مدرسہ دیوبند

الجواب صواب محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح بندہ مرتضیٰ حسن عفی عنہ

(۴) تحریر مولانا محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند

یہ رواج شریعت غراء کے صریح منصوص احکام کے مخالف ہے اور اولادِ دختری (وغیرہ) کے ساتھ کھلا ہوا ظلم ہے، جو لوگ اس رواج کو جائز اور تقسیم میراث کے شرعی اصول سے بہتر سمجھیں وہ مسلمان نہیں رہ سکتے اور جو لوگ ناجائز اور خلاف شریعت یقین کرتے ہوں مگر اس پر عمل کرتے ہوں وہ بھی ظالم اور فاسق ہیں۔

(۱) محمد کفایت اللہ غفر اللہ لہ مدرسہ امینیہ دہلی (۲) عبدالخالق جہاں خیلاں (۳) جماعت علی (علی پوری) بقلم خود (۴) محمد حسین، علی پور ضلع سیالکوٹ (۵) ثناء اللہ امرتسری

(۵) تحریر گرامی امام الدعوۃ والتبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ و رسول نے جو حقوق مال میں مقرر فرمائے ہیں اس میں فرق کرنا سخت گناہ ہے، اس کے واسطے اللہ پاک نے خود جس قدر اہتمام فرمایا ہے اور جس قدر اس کے خلاف پر وعید اور دھمکی فرمائی ہے وہ پتہ کو پانی کرنے کیلئے بہت کافی ہے ذرا رسالہ "غصب المیراث" کو سب صاحب غور سے دیکھ لیں اس سے بہت کچھ کھل جاوے گا۔ فقط بندہ ناچیز الیاس عفی عنہ

خلاصہ: تمام امت محمدیہ کا اس رواج عام کے حرام قطعی اور ظلم عظیم ہونے پر ہمیشہ سے اتفاق ہے، بغرض اختصار چند فتاویٰ کا انتخاب اور چند علماء کے دستخط درج کئے گئے جملہ اہل اسلام اس ظالمانہ اور کفریہ رواج عام کو مٹا کر شریعت محمدیہ کے مطابق قانون وراثت کی تعمیل کریں۔

کمترین عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ

امداد السائل فی الاحکام والمسائل — فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی

الاستفتاء

سوال: کیافرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ اگر کوئی عورت دوسری جگہ جا کر حلفیہ بیان دے کہ میں بیوہ ہوں یا کنواری غیر منکوحہ تو اس کا یہ بیان بغیر شرعی گواہان معتبر سمجھ کر اس کا نکاح پڑھا دینا جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب: عورت کا تنہا بیان کافی ہے اگر ظن غالب ہو کہ یہ اپنے بیان میں سچی ہے ورنہ تحقیق ضروری ہے اور جب تحقیق سے اس کا کذب ظاہر ہو جائے تو نکاح کالعدم ہو جائے گا اور سب کارروائی ناجائز سمجھی جائے گی اور لاعلمی میں جو لوگ شریک ہوئے ہیں وہ معذور سمجھے جائیں گے، البتہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ تنہا عورت کے بیان پر اعتماد نہ کیا جائے، درمختار میں ہے وحل نکاح من قالت طلقنی زوجی وانقضت عدتی او کنت امة فلان واعتقنی ان وقع فی قلبه صدقها (ص ۴۷۹)

حالات زمانہ پر نظر کرتے ہوئے تحقیق کر کے ایسا قدم اٹھانا چاہئے، عورتوں میں آزادی اور آوارگی بڑھ گئی ہے اس لئے صرف اس کے بیان پر دل مشکل سے مطمئن ہوتا ہے، اگر اطمینان ہو تو تصدیق جائز اگرچہ احتیاط کے خلاف ہے، واللّٰہ اعلم بالصواب۔ ۴/ ذوالقعدہ ۱۳۸۲ھ

سوال: ایک عورت بیان کرتی ہے کہ اس کا سسر جب اس عورت کو اپنے والدین کے گھر سے لا رہا تھا، سفر تقریباً آٹھ میل کا تھا پیدل چل رہے تھے، راستہ میں سورج غروب ہو گیا، ایک غیر آباد جگہ پر جب آئے تو سسر نے عورت مذکورہ کے ساتھ بدفعلی کرنے کی خواہش کی، مذکورہ نے ہر طرح بچنے کی کوشش کی مگر نہ بچ سکی اور سسر نے اسے کہہ دیا کہ اگر کسی سے بھی کہا تو میں تجھے جان سے مار ڈالوں گا، جب تک سسرال میں رہی تو اس کے قبضہ میں رہی، ڈر کے مارے اس نے کسی سے ذکر نہیں کیا، جب پھر والدین کے پاس گئی تو وہ سب ماجرا سنایا (۱) اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ (۲) اس کے سسر کیلئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ (۳) کیا اس عورت کا اپنے خاوند جو کہ اس سسر مذکور کا لڑکا ہے نکاح رہا یا کہ نہیں۔

الجواب: (او۳) اگر اس عورت مذکورہ کا بیان صحیح ہے تو وہ عورت اس شخص کے لڑکے پر حرام ہو چکی ہے، اب یہ عورت از روئے شریعت اپنے خاوند کے ساتھ نہیں رہ سکتی، اس کو اس کے خاوند کے پاس بھیجنا شرعاً ناجائز ہے اور عورت اور جن لوگوں کو اس کا علم ہو سب پر لازم ہے کہ اس کے خاوند سے اس کو علیحدہ کرانے کی کوشش کریں، اگر علم ہوتے ہوئے اس کو شوہر کے پاس بھیجیں گے اور اس پر راضی ہوں گے تو بقدر استطاعت تمام گنہگار ہوں گے لہٰذا عورت پر واجب ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق شوہر سے علیحدگی کی کوشش کرے اور

حتی الامکان اس کو اپنے پاس نہ آنے دے کیونکہ اس واقعہ کے بعد یہ عورت اپنے اس شوہر پر حرام ہو چکی ہے، شوہر سے صحبت وغیرہ قطعاً حرام ہے، اب اس کے حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے، تمام عمر یہ عورت اپنے اس شوہر پر حرام ہے، کسی طرح حلال نہیں ہو سکتی اور نہ ہی دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے، لیکن بغیر مرد کے طلاق وغیرہ کے ذریعہ فیصلہ کئے یہ عورت باوجود اپنے شوہر پر حرام ہو جانے کے دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی، اس لئے ضروری ہے کہ کوشش کر کے شوہر مذکور سے طلاق حاصل کی جائے، پھر قاعدہ کے مطابق عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرے، بغیر فیصلہ کے دوسری جگہ نکاح نہیں ہو سکتا اور شوہر پر لازم ہے کہ اس عورت کو طلاق کے ذریعہ سے آزاد کر دے کیونکہ اب وہ اس پر حرام ہو چکی ہے اور کسی طرح اس کیلئے حلال نہیں، بلاوجہ اس کو محبوس کر کے گنہگار نہ بنے، اگر فیصلہ کر کے آزاد نہ کرے گا تو شرعاً گنہگار ہوگا جیسا کہ درمختار میں ہے:

وحرم ایضًا بالصھریة (اصل مزنیتہ) اراد بالزنا الوطی الحرام الخ، وقال العلامة الشامی رحمہ اللّٰہ تحت قولہ وحرم ایضا قال فی البحر اراد بحرمة المصاھرة الحرمات الاربع حرمة المرأة علی اصول الزانی وفروعہ نسبا ورضاعا وحرمة اصولھا وفروعھا علی الزانی نسبا ورضاعا کمافی الوطی الحلال (شامی ص ۲۸۷ ج ۲) وفی الدرالمختار ایضا وبحرمة المصاھرة لایرتفع النکاح حتّٰی لایحل لھا التزوج باٰخرالا بعد المتارکة وانقضاء العدة، وفی ردالمحتار تحت قولہ الابعدالمتارکة ای وان مضٰی علیھا سنون کما فی البزازیة وعبارة الحاوی الا بعد تفریق القاضی او بعد المتارکة اہ وقد علمت ان النکاح لا یرتفع بل یفسد وقد صرحوا فی النکاح الفاسد بان المتارکة لاتتحقق الا بالقول ان کانت مدخولا بھا کترکتك او خلیت سبیلك الخ (شامی ص ۲۹۰ ج ۲)

اگر مرد مذکور (یعنی عورت مذکورہ کا شوہر) طلاق وغیرہ کے الفاظ سے فیصلہ نہ کرے تو حاکم مسلم کے سامنے تمام واقعات بیان کر کے فیصلہ لیا جاوے اگر حاکم مسلم شرعی طور سے ثبوت کے بعد فیصلہ کر کے نکاح فسخ کر دے تو بعد عدت کے شوہر کے فیصلہ کے بغیر بھی دوسری جگہ نکاح ہو سکتا ہے، فقط

(۲) عورت کے خسر کے متعلق جو حکم شرعی ہے بعد ثبوت حاکم مسلم کے اختیار میں ہے۔

واللّٰہ اعلم بالصواب

احقر سید عبدالشکور ترمذی خطیب جامع مسجد و مفتی ساہیوال ۹ / ذوالقعدہ ۱۳۸۲ھ

تعارف وتبصرہ

نام کتاب: اصلاحی خطبات ومقالات: **افادات:** ولی کامل حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا **مرتب:** حافظ محمد اکبر شاہ بخاری زیدمجدہ **ضخامت:** ۴۰۰ صفحات

اکابرین دیوبند پر اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ ان کے ہر قول وعمل سے، کردار وگفتار سے سنت جھلکتی ہے اور اتباع سنت میں حد درجہ پیش پیش ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی ہر بات، ہر جملہ اتنا مؤثر ہوتا ہے کہ قلوب میں پیوست ہوکر رہ جاتا ہے، منجملہ ان اکابرین میں ماضی قریب کی ایک بزرگ ہستی حضرت شیخ الحدیث مفتی عبدالقادر رحمہ اللہ کی بھی تھی، آپ صحیح معنی میں ع مشک آں است کہ خود بگوید نہ کہ عطار بگوید کے مصداق تھے، آپ نے جہاں حدیث وفنون میں طلبہ کرام کے قلوب کو منور کیا وہیں پر آپ نے بیانات ومقالات کے ذریعے تشنگان معرفت کے قلوب واذہان میں عشق خداوندی کی وہ آگ بھڑکائی زمانہ جس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

زیر نظر کتاب بھی آپ کے ان اصلاحی بیانات ومقالات کا وہ سدابہار گلدستہ ہے جس سے تشنگان معرفت نے آپ سے ارض پاک کے مختلف مقامات پر سیرابی حاصل کر کے اپنے قلوب کو تسکین دی جسے محترم ومکرم حافظ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری زیدفضلہ نے آپ کے مختلف مضامین ومقالات کے لالہ زاروں میں سے محنت شاقہ کے ساتھ وہ پھول اور کلیاں چنی ہیں جن کی مہک سے دماغ معطر ہوتا ہے اور غنچۂ دل کھل اٹھتا ہے۔

کتاب ہٰذا میں تزکیۂ نفس، تعلیم وتعلم، فضائل وفوائد اور احکام ومسائل پر خصوصیت سے کلام کیا گیا ہے، کتاب صحیح معنوں میں حرز جان بنانے کے لائق ہے، کتاب ہٰذا کی طباعت پر خصوصی توجہ دی گئی ہے اور سرورق کو خوبصورتی سے بھی آراستہ کیا گیا ہے۔ لیکن چند مقامات پر کتابت کی غلطیاں موجود ہیں امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کردی جائے گی۔

☆☆☆☆☆

نام کتاب: آداب اسلام **مرتب:** جناب صوفی محمد اقبال قریشی صاحب **صفحات:** ۶۳

ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد ضلع بہاولنگر **قیمت:** ۱۸ روپے کے ڈاک ٹکٹ

مذہب اسلام ہی وہ واحد عالمگیر مذہب ہے جس نے زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق طریقہ کار اور آداب

بتلائے، یہی وجہ ہے کہ اس بات کا اعتراف اپنے تو کیا اغیار بھی کرتے ہیں جبکہ دوسرے ادیان باطلہ میں یہ خصوصیت

نہیں پائی جاتی ۔پیش نظر کتاب بھی اسی موضوع پر مختصر مگر جامع ترین کتاب ہے جو اپنی مثال آپ ہے،موصوف نے بڑی عرق ریزی سے اس کو مرتب کیا ہے،ترتیب بھی عمدہ ہے اور ہر خاص وعام کیلئے یکساں مفید ہے۔